حصہ دوم

”مصارفِ زکوٰۃ“

استفتاء اور جواب

سوالات:

۱) مصارفِ زکوٰۃ میں سے ”فی سبیل اللہ“ سے کیا مراد ہے؟

۲) کیا زکوٰۃ کی رقم کسی ایسے ادارے کو دینا درست ہے جہاں زکوٰۃ کو عام دینی مقاصد میں استعمال کیا جاتا ہو؟

۳) کیا مصارفِ زکوٰۃ کے لیے ’تملیک‘ شرطِ لازم ہے؟ اگر کسی ادارے میں تملیک کے بغیر فی سبیل اللہ کی مد میں رقم وصول کی جاتی ہو تو کیا زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

(نوٹ: مختار حسین فاروقی صاحب کا مضمون اور انجینئر نوید احمد صاحب کا کتابچہ منسلک ہے)

پہلا جواب:

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ سلفِ اُمت کے متفقہ مسائل سے انکار' ائمہ سابقین کی اجتماعی تحقیقات سے انکار کرنا زمانۂ حال کے ”نئے محققین“ اور نئی روشنی کے ”مجتہدین“ کا فیشن سا ہو گیا ہے۔ اس مہلک علمی بیماری کا (جو اَب روز بروز عام ہوتی جا رہی ہے) سب سے بڑا اور خطرناک ضرر یہ ہے کہ اس نے دین کے علمی نظام کے بہت بڑے حصے کے متعلق ناواقفوں کے ایک وسیع طبقہ کو سخت شکوک وشبہات میں مبتلا کر کے بہت سے مسلّمہ مسائل پر بھی از سرِ نو بحث واستدلال کی ضرورت پیدا کر دی ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی زیرِ بحث مسئلہ بھی ہے۔

اللہ جل شانہ' نے قرآن وسنت کے ذریعہ ہمیں عبادات کا مکمل اور جامع نظام عطا فرمایا ہے۔ اسی عبادات کی ایک اہم کڑی زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم مالی فریضہ ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کی وجہ سے قرآن پاک میں بار بار نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ کی

© rasailojaraid
© rasailojaraid.

فرضیت اسلام کی اُن قطعی اور بدیہی تعلیمات میں سے ہے جس کا انکار کرنے سے مسلمان دائرۂ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ سے جہاد کا حکم فرمایا اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔

زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا نظام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دَور سے باقاعدگی کے ساتھ قائم کیا گیا۔ زکوٰۃ کن اموال میں واجب ہوتی ہے؟ کن لوگوں پر واجب ہوتی ہے؟ مختلف قسم کے مالوں میں زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے؟ اس طرح کے بہت سے سوالوں کے جوابات صراحتاً کتاب وسنت میں موجود ہیں۔ چونکہ نظامِ زکوٰۃ کا قیام مسلمانوں کی اہم ترین انفرادی واجتماعی ضرورت تھی اس لیے زکوٰۃ کے مسائل اور اس کی ادنیٰ تفصیلات پر فقہاء محدثین اور مفسرین نے سیر حاصل بحثیں کیں اور اس کا کوئی پہلو تشنۂ بحث نہیں چھوڑا کہ جس کے لیے ان کی تحقیقات کو رد کر کے آج ہم کو کسی نئے اجتہاد کی ضرورت پڑے۔

زکوٰۃ کن لوگوں پر صرف کی جائے؟ مصارفِ زکوٰۃ کیا ہیں؟ اس کی وضاحت وتفصیل خود اللہ ربّ العزت نے سورۃ التوبۃ میں حصر کے ساتھ بیان فرمادی ہے' پھر مصارفِ زکوٰۃ بیان کرنے کے بعد اس کی اہمیت کو ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ کہہ کر مؤکد کر دیا' جس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم صرف انہی لوگوں کو دی جاسکتی ہے جس کا تذکرہ اللہ ربّ العزت نے کیا ہے۔ مصارفِ زکوٰۃ کے باب میں سورۃ التوبۃ کی آیت ۶۰:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۔۔۔۔۔۔ الآية﴾

کی بنیادی حیثیت ہے۔

آیت کی تشریح کرتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فاحکم اللّٰہ عزوجل فرض الزکوۃ فی کتابہ ثم اکّدھا فقال فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ولیس لاحد ان یقسمھا علی غیر ما قسمہ اللّٰہ عزوجل ذلک ما کانت الاصناف موجودۃ" (کتاب الام' ج۲' ص ۶۰)

ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولا یجوز صرف الزکوۃ الی غیر من ذکر اللّٰہ تعالٰی"

(المغنی' ج۲' ص ۵۲۷)

غرض یہ کہ مصارفِ زکوٰۃ کتاب اللہ سے منصوص ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں تبدیل د

id.com

ترمیم کا اختیار کسی نبی کو بھی نہیں دیا' نہ ہی کسی فقیہہ کو کہ وہ زمانہ اور حالات کی رعایت کر کے ان کے اندر اضافہ یا کسی قسم کی ترمیم کرے۔ تو عام آدمی کو کیا اختیار ہو گا؟

جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دے دیجیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ان اللّٰه لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیھا هو فجزائھا ثمانیة اجزاء فان کنت من تلك الاجزاء اعطیتك حقك))

(ابو داود' ج ۱' ص ۲۳۰)

''صدقات کی تقسیم کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے حوالہ نہیں کیا' بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف متعین فرمائے۔ اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمہیں تمہارا حق دے دوں گا''۔

لہٰذا نہ تو کسی غیر مصرفِ زکوٰۃ کو مصرف قرار دے کر اسے مستحقِ زکوٰۃ قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی مصرف کو زکوٰۃ کی مدّ سے خارج کیا جا سکتا ہے۔

عہد نبویؐ سے لے کر عہدِ حاضر تک پوری اُمت مسلمہ زکوٰۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ کی رقوم قرآن کے بیان کیے ہوئے مصارف پر خرچ کرتی رہی (جن کی تفصیلات کتابوں میں موجود ہیں) اور کر رہی ہے۔

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں زکوٰۃ کا ساتواں مصرف ''فی سبیل اللہ'' ہے۔

حاملانِ دین کے وہ اکثر طبقے جن کی وساطت سے علم دین کی امانت ہم تک پہنچی' یعنی فقہاء' مجتہدین' محدثین ومفسرین' سب اس کے قائل ہیں کہ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد راہِ خدا میں جہاد و قتال کرنے والے لوگ ہیں۔ چند ایک کے اختلاف کے باوجود (جنہوں نے اس میں حاجیوں کو بھی شامل کیا ہے) اس پر ائمہ اُمت کا اتفاق اور اجماع رہا ہے۔ احادیث صحیحہ اور آثارِ صحابہ و تابعین سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ (جس کی تفصیلات و دلائل کا آگے ذکر ہو گا)۔

تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں دیگر فاسد رجحانات کی طرح یہ رجحان بھی پروان چڑھا کہ احادیث و آثار اور متقدمین کی تفاسیر سے قطع نظر صرف لغت اور عربی ادب کے ذریعہ قرآن کی تفسیر کی جائے۔ اگرچہ تفسیر کے سلسلے میں یہ منحرف رجحان بعض گمراہ فرقوں میں ماضی میں بھی موجود تھا' لیکن انیسویں صدی میں زور پکڑنے والی مغربی عقلیت نے اس

© rasailojaraid.

.com

مُردہ رجحان کو نئی زندگی بخشی۔ مغربی فکر و فلسفہ کی سحر انگیزی کے زمانہ میں بیسویں صدی کے بعض قابل قدر مفسرین بھی اس رجحان سے متاثر ہوئے۔ اس رجحان کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض معاصر علماء اور بعض حلقوں کی طرف سے یہ بات بڑے زور و شور سے اٹھائی جا رہی ہے کہ قرآن کے لفظ ''فی سبیل اللہ'' میں توسیع و تعمیم ہے۔ ''فی سبیل اللہ'' کے مصداق و مراد کی تحقیق محض لغت و ادب کے ذریعہ کی جانے لگی اور اس سلسلے میں اُمت کے اجماعی موقف کو ترک کرنے کی دعوت دی جانے لگی۔ بقول ان کے اس میں بلا کسی قید کے ہر وہ شخص داخل ہے جو کسی بھی رفاہی اور دینی کام میں مشغول ہو' اسی طرح ہر وہ تحریک' تنظیم' اکیڈمی یا انجمن یا تصنیفی مراکز جو کسی نہ کسی درجہ میں دین و ملت کی خدمت میں' اس کی نشر و اشاعت میں مشغول ہوں وہ بھی ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق ہیں اور اس مصرف میں شامل ہیں اور مستحق زکوٰۃ ہیں' ان کو زکوٰۃ کی رقم دینا اور ان کے لیے لینا جائز ہے۔

چونکہ اس لحاظ سے یہ نقطۂ نظر بڑا نازک ہے کہ اگر اس طرح کی تنظیمیں' انجمنیں یا ہر رفاہی کام میں مشغول افراد ''فی سبیل اللہ'' میں داخل ہیں تو آج تک اُمت ان لوگوں کو زکوٰۃ سے کیوں محروم کرتی رہی؟ اور اگر وہ مستحق زکوٰۃ نہیں تو پھر نص قرآنی کی رو سے انہیں زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ کے اس مصرف ''فی سبیل اللہ'' کا جائزہ لیا جائے۔

چنانچہ اسی سلسلے میں زیر نظر صفحات میں اوّلاً بنیادی طور پر اسی مصرف کے متعلق تحقیق ہو گی کہ ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق کیا ہے؟ اس سلسلے میں جمہور علماء اور اکابر اُمت کی تشریحات کیا ہیں؟ کیا اب تک ''فی سبیل اللہ'' کا مفہوم متعین نہیں ہوا کہ جس کے لیے ہمیں کسی نئے اجتہاد سے کام لینا پڑے۔ اور آخر میں اجتہاد پر مختصر کلام کیا جائے گا جس پر اس سارے مضمون کی عمارت کھڑی ہے کہ جس میں مضمون نگار نے زکوٰۃ کے مصرف ''فی سبیل اللہ'' کو عام کر دینے کی پُر زور وکالت کرتے ہوئے از سر نو جدید اجتہاد کرنے کو بنیاد بنایا ہے۔ نیز انہوں نے صرف اپنی ''تحقیق'' پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ علماء' مفتیانِ کرام' اربابِ مدارس کو مشورہ دیا ہے کہ ان گزارشات کی روشنی میں حکمت سے کام لیتے ہوئے اپنے فتاویٰ میں تبدیلی اور اصلاح کر لیں' یعنی ''فی سبیل اللہ'' کے عام ہونے اور تملیک کی شرط ختم ہونے کا فتویٰ دیں۔

سب سے پہلے یہ بات ذہن میں ہونی چاہیے کہ زیر بحث مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے' بلکہ

اس کا تعلق آیاتِ احکام میں سے ایک آیت کے بعض الفاظ کی تفسیر وتشریح سے ہے۔ لہٰذا اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے قدیم مفسرین' فقہاء' محدثین کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ انہوں نے سورۃ التوبۃ کی مذکورہ آیت میں ''فی سبیل اللہ'' سے کیا مراد لیا؟ احادیث رسولﷺ آثارِ صحابہ و تابعین سے صراحتاً یا اشارتاً مصارفِ زکوٰۃ میں ''فی سبیل اللہ'' کا کیا معنی متعین ہوتا ہے؟

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سابقہ مفسرین کی تفسیر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے' کیونکہ قرآن کریم کی آیات کی وہی تفسیر شرعاً معتبر ہے جو خود صاحبِ وحی ﷺ سے منقول ہو یا آپؐ کے صحابہ یا ائمہ سلف سے منقول ہو۔ یہ حضرات کتاب اللہ کے معانی' اس کی تفسیر' منشاء خداوندی کو بعد میں آنے والے لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ ان کے علم میں گہرائی اور رسوخ تھا اور وہ زہد وورع کے پیکر اور خوبِ خدا سے ان کے قلوب معمور تھے۔ اس لیے سلف صالحین اور قرونِ اولیٰ کی تشریحات اور تفسیری روایات کو نظر انداز کر کے کوئی دوسرا قول اختیار کرنا بڑی جسارت کی بات ہے۔ کسی کلام کی تشریح میں جب کہ صاحبِ کلام اور اس کے خاص اصحاب وشاگردوں کی تصریحات موجود ہوں' تو اس میں ''اجتہاد'' کے نام پر مزید یا جدید کا اضافہ نہیں ہوسکتا۔ اگر اس کی اجازت دی جائے کہ ہر کوئی ائمہ سلف اور حضراتِ صحابہؓ کی تفسیری روایات کو نظر انداز کر کے قرآن کریم کی تفسیر وتشریح جو چاہے کرے تو قرآن بازیچۂ اطفال بن جائے گا۔

لہٰذا ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم زیر بحث مسئلہ میں کوئی قطعی فیصلہ دینے سے پہلے احادیث وآثار' فقہاء' مجتہدین کے اجتہادات پر ایک نظر ڈال لیں۔ اس سلسلے میں وہ بنیادی حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ جس کی نشاندہی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کی کہ:

''وفی الجملة من عدل عن مذاهب الصحابة والتابعين وتفسيرهم الی ما يخالف ذلك كان مخطئاً فی ذلك بل مبتدعاً ...... ونحن نعلم ان القرآن قرأه الصحابة والتابعون وتابعوهم وانهم كانوا اعلم بتفسيره ومعانيه كما انهم اعلم بالحق الذی بعث اللّٰه به رسوله فمن خالف قولهم وفسر القرآن بخلاف تفسيرهم فقد اخطأ فی الدليل والمدلول جميعا'' (مقدمه فی اصول التفسير' ص ۳۶۱)

''حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہؓ' تابعین کے مذاہب اور ان کی تفسیر کو ترک کر کے مخالف مذہب اور تفسیر اختیار کرنے والا خطاکار بلکہ بدعت کا ارتکاب کرنے والا ہے......

© rasailojaraid

ہمیں اس بات کا علم ہے کہ صحابہ' تابعین اور تبع تابعین نے قرآن پڑھا اور یہ لوگ قرآن کی تفسیر اور معانی سے سب سے زیادہ واقف ہیں' جس طرح یہ لوگ اس سچائی سے سب سے زیادہ واقف تھے جس کو لے کر نبی اکرم ﷺ بھیجے گئے تھے۔ لہٰذا جس شخص نے ان کے قول کی مخالفت کی اور ان کی تفسیر کے خلاف قرآن کی تفسیر کی اس نے دلیل اور مدلول دونوں میں غلطی کی''۔

سبیل اللہ کا لغوی معنی کیا ہے؟

علامہ ابن الاثیرؒ اپنی کتاب النہایۃ فی غریب الحدیث میں لکھتے ہیں:

''السبیل فی الاصل :الطریق وسبیل اللّٰہ عام یقع علی کل عمل خالص سلک بہ طریق التقریب الی اللّٰہ عزوجل باداء الفرائض والنوافل وانواع التطوعات واذا اطلق فھو فی الغالب یقع علی الجھاد حتی صار لکثرۃ الاستعمال کانہ مقصور علیہ''

(النہایۃ فی غریب الحدیث' ج ۲' ص ۳۳۸)

لسان العرب میں ہے:

''وکل ما امر اللّٰہ بہ من الخیر فھو من سبیل اللّٰہ واستعمل السبیل فی الجھاد اکثر لانہ السبیل الذی یقاتل فیہ علی عقد الدین وقولہ فی سبیل اللّٰہ ارید بہ الذی یرید الغزو ولا یجد ما یبلغہ بمغزاۃ فیعطی من سھمہ'' (لسان العرب' ج ٤' ص ۲۱۰)

مذکورہ بالا عبارات سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

ایک تو یہ کہ لغت کے اعتبار سے سبیل اللہ کا اصل معنی ہر اس عمل خالص کو شامل ہے جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہو۔ لہٰذا اس میں تمام نیک کام شامل ہو گئے خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی۔

دوسری یہ کہ سبیل اللہ جب مطلق بولا جاتا ہے قرائن کے بغیر تو اس سے عموماً جہاد مراد ہوتا ہے' جہاد کے مفہوم میں کثرتِ استعمال کی وجہ سے۔

تمام فقہی مسالک کے اصحاب علم وتحقیق فقہاء کا مطالعہ یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' شریعت کی اصطلاح ہے۔

سبیل اللہ لغوی معنی کے اعتبار سے اگرچہ عام ہے' ہر کار خیر اس میں داخل ہے' کتاب اللہ وسنت میں بھی کہیں کہیں اسی عام لغوی معنی میں سبیل اللہ کا استعمال ہوا ہے' لیکن کتاب و سنت اور صحابہ کرامؓ کی زبانوں پر سبیل اللہ کا استعمال جب قرائن کے بغیر مطلق طور پر ہوتا ہے تو اس سے غزوہ اور جہاد ہی مراد ہوتا ہے۔

قدیم مفسرین وفقہاء کے علاوہ دورِ جدید کے بعض علماء نے بھی کتاب وسنت میں ''فی سبیل اللہ'' کے استعمالات کا تتبع کر کے ''فی سبیل اللہ'' کے اسی مخصوص معنی کو ثابت کیا ہے۔ کتب حدیث میں ابواب الجہاد کی احادیث کا مطالعہ بھی اسی نتیجہ تک پہنچاتا ہے۔ چنانچہ ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں:

''واما قوله فى سبيل الله فانه يعنى وفى النفقة فى نصرة دين الله وطريقه وشريعته التى شرعها لعباده بقتال اعدائه وذلك هو غزو الكفار'' (جامع البيان' ج١٠' ص ١١٤)

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''سبيل الله عند الاطلاق هو الغزو''
(المغنى والشرح الكبير' ج٢' ص ٦٩٧)

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ان المتبادر عند اطلاق لفظ من سبيل الله الجهاد''
(فتح البارى' ج٦' ص ٣٦)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''المتبادر الى الافهام ان سبيل الله تعالى هو الغزو واكثر ما جاء فى القرآن العزيز كذلك'' (المجموع شرح المهذب' ج٦' ص ٢١٢)

المغنی میں ہے:

''كل ما فى القرآن من ذكر سبيل الله انما اريد به الجهاد الا اليسير''
(ج٢' ص ٦٩٨)

جہاں تک سورۃ التوبہ کی مذکورہ آیت مصارف کا تعلق ہے کہ یہاں سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟ تو سلفاً خلفاً صحابہ وتابعین' ائمہ مجتہدین' قدیم زمانہ سے اب تک فقہاء ومفسرین کا یہی مسلک رہا ہے کہ آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد غزوہ و جہاد ہے۔ احادیث صحیحہ' آثار صحابہ وتابعین سے بھی اسی مفہوم کی تائید وتعیین ہوتی ہے۔ جبکہ بعض صحابہ اور بعض فقہاء سے یہ

© rasailojaraid.

منقول ہے کہ حجاج بیت اللہ بھی فی سبیل اللہ کے دائرہ میں شامل ہیں۔

غرض صحابہ کرام جنہوں نے قرآن کو براہِ راست حضورِ اقدس ﷺ سے پڑھا اور سمجھا' ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ سے متعلق منقول ہیں' اُن میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لیے مخصوص قرار دیا گیا ہے۔ یہی دو تفسیریں صحابہ' تابعین ومفسرین ومجتہدین سے منقول ہیں۔ غزوہ وحج کے علاوہ دوسرے نیک کاموں کا ''فی سبیل اللہ'' میں شامل نہ ہونا قرونِ اولیٰ میں اجماعی رہا ہے۔ (جیسا کہ آگے حوالہ جات سے واضح ہوگا)

ابن العربی نے احکام القرآن میں یہاں تک نقل فرمایا ہے کہ سبیل اللہ کا مصداق اگرچہ بہت کچھ ہوسکتا ہے لیکن میرے علم میں اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آیت میں ''فی سبیل اللہ'' سے مراد صرف غزوہ وجہاد ہے۔ (احکام القرآن' ج ۲' ص ۹۵۷)

اگر دیکھا جائے تو فی سبیل اللہ کا مصداق متعین کرنے کے سلسلے میں ہمیں ایک حدیث نبویؐ سے پوری رہنمائی ملتی ہے جو کہ زکوٰۃ ہی کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ کتب حدیث میں موجود ہے اور ناقدین حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حدیث مبارکہ یہ ہے:

عن عطاء بن یسار ان رسول اللہ ﷺ قال :((لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة لغاز فی سبیل اللہ او لعامل علیھا او لغارم او لرجل اشتراھا بمالہ او لرجل کان لہ جار مسکین فتصدق علی المکسین فاھداھا المسکین للغنی)) (ابو داود' ج ۱' ص ۲۳۱)

اس حدیث میں ''فی سبیل اللہ'' کے ساتھ غازی کی قید لگا کر زبانِ نبوتؐ نے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کی مراد واضح کر دی۔

فی سبیل اللہ اور مفسرین اسلام

قرآن کریم کی کوئی بھی مستند تفسیر اٹھا کر دیکھ لی جائے تو ہر ایک میں یہی ملے گا کہ جمہور مفسرین ومجتہدین کے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق راہ خدا میں غزوہ وقتال کرنے والے مجاہدین ہیں۔ ہاں صحابہ کرام میں حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول تفسیر وفقہ میں ملتا ہے کہ حج کرنے والے افراد بھی ''فی سبیل اللہ'' کے دائرے میں آتے ہیں۔ ابن جریر کی تفسیر درج ذیل ہے:

''اما قولہ وفی سبیل اللہ فانہ یعنی وفی النفقة فی نصرة دین اللہ

com

وطريقه وشريعته التى شرعها لعباده بقتال اعداء ه وذلك هو غزو الكفار وبالذى قلنا فى ذلك قال اهل التاويل ... حدثنى يونس قال اخبرنا وهب قال قال ابن زيد فى قوله وفى سبيل اللّٰه قال الغازى فى سبيل اللّٰه" (جامع البيان' ج ١٠' ص ١١٤)

اس کے بعد ابن جریرؒ نے دو احادیث نقل فرمائی ہیں جن سے اسی تفسیر کی تائید و تعیین ہوتی ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الدر المنثور میں لکھتے ہیں:

"وفى سبيل اللّٰه اخرج ابن ابى حاتم عن مقاتل فى قوله (وفى سبيل اللّٰه) قال هم المجاهدون واخرج ابن ابى حاتم وابو الشيخ عن ابن زيد فى قوله وفى سبيل اللّٰه قال الغازى فى سبيل اللّٰه"

(الدر المنثور' ج ٤' ص ٢٢٥)

ابن العربی اپنی مایۂ ناز کتاب احکام القرآن میں فی سبیل اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال مالك سبل اللّٰه كثيرة ولكنى لا اعلم خلافاً فى ان المراد بسبيل اللّٰه ههنا هو الغزو ومن جملة سبيل اللّٰه الا ما يؤثر عن احمد واسحاق فانهما قالا انه الحج والذى يصح عندى من قولهما ان الحج من جملة السبل مع الغزو لانه طريق بر ..... وهذا يحل عقد الباب ويخرم قانون الشريعة وينثر سلك النظر وما جاء قط باعطاء الزكوة فى الحج اثر" (احكام القرآن' ج ٢' ص ٩٥٧)

یہ اقتباس ان لوگوں کے لیے بڑا فکر انگیز ہے جو فی سبیل اللہ کا لفظی عموم دیکھ کر سلف کے اجماع سے آنکھیں بند کر کے ہر کارِ خیر کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔

اسی طرح تفسیر قرطبی میں ہے:

"قوله تعالى وفى سبيل اللّٰه وهم الغزاة ومواضع الرباط يعطون ما ينفقون فى غزوهم كانوا اغنياء او فقراء وهذا قول اكثر العلماء وهو

© rasailojaraid

تحصیل مذهب مالك وقال ابن عمر الحجاج والعمار ويؤثر عن احمد واسحاق رحمهما الله انهما قالا سبيل الله الحج"

(الجامع لاحكام القرآن' ج ٤' ص ١١٧)

امام جصاص اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وفى سبيل الله روى ابن ابى ليلى عن عطيه العوفى عن ابى سعيد الخدرى عن النبى ﷺ قال :((لا تحل الصدقة لغنى الا فى سبيل الله او ابن السبيل او رجل له جار مسكين تصدق عليه فاهدى له)) واختلف الفقهاء فى ذلك فقال قائلون للمجاهدين الاغنياء منهم والفقراء وهو قول الشافعى ' وقال الشافعى لا يعطى منها الا الفقراء منهم ولا يعطى الاغنياء من المجاهدين فان اعطوا ملكوها وأجزأ المعطى وان لم يصرفه فى سبيل الله لان شرطها تمليكه وقد حصل لمن هذه صفته فاجزأ۔ وقد روى ...... وان اعطى حاجًا منقطعاً به اجزى ايضاً وقد روى عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رجلاً اوصى بماله فى سبيل الله فقال ابن عمر رضی اللہ عنہ ان الحج فى سبيل الله فاجعله فيه وقال محمد ابن الحسن فى السير الكبير فى رجل اوصى بثلث ماله فى سبيل الله انه يجوز ان يجعل فى الحاج المنقطع به وهذا يدل على ان قوله تعالى وفى سبيل الله قد اريد به عند محمد الحاج المنقطع به ...... روى عن ابى يوسف فى من اوصٰى بثلث ماله فى سبيل الله انه الفقراء الغزاة"(احكام القرآن' ج ٣' ص ١٨٦)

(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر' ج ۲' ص ۳۷۳' تفسیر کبیر' ج ۱۶' ص ۱۱۳' تفسیر خازن' ج ۲' ص ۹۲' روح المعانی' ج ۴' ص ۱۲۳)

خلاصہ یہ ہے کہ مفسرین نے عموماً فی سبیل اللہ کی تفسیر میں دو قول ہی نقل کیے ہیں۔ پہلا قول جمہور فقہاء و مفسرین کا جس کے مطابق فی سبیل اللہ کا مصداق صرف مجاہدین ہیں اور دوسرا قول یہ کہ حاجی بھی فی سبیل اللہ کے مصداق میں شامل ہے۔

تو جب آیاتِ احکام میں سے کسی آیت کی تفسیر کے متعلق اگر عہد صحابہؓ سے لے کر صدیوں تک دو ہی قول رہے ہیں تو ان دونوں اقوال سے ہٹ کر کوئی تیسرا قول اختیار کرنا

.com

ہرگز درست نہیں۔ ایسی صورت میں کوئی تیسرا قول اختیار کرنے کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ صدیوں تک اس آیت کا صحیح مفہوم ومصداق اُمت سے مخفی رہا۔ خصوصاً ایسی آیت جو کثیر الوقوع عملی مسائل سے تعلق رکھتی ہو اور اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن کی ادائیگی اس سے متعلق ہو۔ اگر اس کی اجازت دی گئی تو معانیٔ قرآن میں تحریف کا بہت بڑا دروازہ کھل جائے گا۔ یہ بات بالکل نہیں بھولنی چاہئے کہ قرآن کی تفسیر میں جو مقام صحابہ وتابعین کا ہے وہ بعد کے لوگوں کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ صاحبِ وحی سے کتاب اللہ کو بلا واسطہ پڑھا اور سمجھا۔ اور جو کچھ بیان کیا وہ وہی بیان کیا جو حضور ﷺ سے سنا اور سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابی کی تفسیر کو حدیث مرفوع کے درجہ میں رکھا گیا ہے۔ چنانچہ امام حاکم مستدرک اور علوم الحدیث میں فرماتے ہیں:

”ان تفسیر الصحابی الذی شھد الوحی لہ حکم المرفوع فکانہ رواہ النبی ﷺ“ (تدریب الراوی، ص ۲۹)

ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”لا ریب ان اقوالھم فی التفسیر اصوب من اقوال من بعدھم وقد ذھب بعض اھل العلم الی ان تفسیرھم فی حکم المرفوع قال ابوعبد اللہ الحاکم فی مستدرکہ وتفسیر الصحابی عندنا فی حکم المرفوع“ (اعلام الموقعین ج ٤، ص ١٥٤)

اسی وجہ سے محققین کی بڑی جماعت نے فرمایا کہ صحابہؓ اپنی رائے سے بھی اگر تفسیر کریں تو ان کی رائے زیادہ درست ہوگی، کیونکہ وہ کتاب اللہ کو زیادہ سمجھنے والے اور اہل لسان تھے۔

اصولیین نے تصریح فرمادی ہے کہ عہد صحابہ وتابعین میں اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے اور وہ اختلاف دو قولوں پر منحصر ہو تو بعد والوں کے لیے ان دو قولوں کے علاوہ کسی تیسرے قول کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ مسلّم الثبوت میں ہے:

مسئلۃ: ولم یتجاوز اھل العصر عن قولین فی مسئلۃ لم یجز احداث قول ثالث عند الاکثر وخصّہ بعض الحنفیۃ بالصّحابۃ وقالوا اذا اختلف الصحابۃ علی قولین لم یجز احداث ثالث ...... الخ

(مسلم الثبوت، ص ٢١١)

© rasailojaraid.com

علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ان احکام الشرع هی ما فهمه الصحابة والتابعون وتابعوهم ورحمه الله من الكتاب والسنة بموجب اللسان العربی المبین ...... واما المتاخرون من الفقهاء فلیس لهم الا ان یتکلموا فی نوازل جدیده لا ان یبدوا آراء فی الشرع علی خلاف ما فهمه من النصوص رجال الصدر الاول الذین هم اللسان المطلعون علی لغة التخاطب بین الصحابة قبل ان یعتورها تغییر وتحویر والمتلقون للعلم من الذین شهدوا الوحی مما فهموه من الشرع فهو المفهوم وما ابعدوه ان یکون دلیلاً بعید ان یتمسك به ...... الخ"

(مقالات الکوثری، ص ۲۵۸)

اور یہ امر متعین ہے کہ عہد صحابہ و تابعین میں "فی سبیل اللہ" کی تفسیر میں صرف دو ہی قول ملتے ہیں (جو ذکر ہوئے)۔ اب بعد میں کسی "اجتہاد جدید" یا قیاس کے ذریعہ تیسرے قول کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ ان دو قولوں پر سلف کا اجماع ہو گیا ہے۔ اب کوئی اجتہاد اس اجماع کے خلاف ہو گا تو وہ واجب الرد ہو گا۔ نور الانوار میں ہے:

"والامة اذا اختلفوا فی مسئلة فی ایّ عصر کان علی اقوال کان اجماعاً منهم علی ان ما عداها باطل ولا یجوز لمن بعدهم احداث قول آخر ...... وقیل هذا فی الصحابة خاصة ای بطلان القول الثالث فی الصحابة فقط فانهم ان اختلفوا علی قولین کان اجماعاً علی بطلان القول الثالث دون سائر الامة ولکن الحق ان بطلان القول الثالث مطلق یجری فی اختلاف کل عصر وهذا یسمی اجماعاً مرکبا" (نور الانوار، ص ۲۲۳)

دوسری اہم بات یہ بھی ہے کہ خاص طور سے فی سبیل اللہ کے مصرف کے تحت ایک صدی سے جو زور لگ رہا ہے اور جو امور اس کے مصداق میں ذکر کیے جا رہے ہیں وہ اکثر و بیشتر عہد نبویؐ اور عہد صحابہ میں موجود تھے یا اور آگے بڑھ کر متقدمین کے عہد میں بھی موجود تھے لیکن کوئی معتمد نقل صحابہ یا ائمہ سے ایسی نہیں ملتی کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ان حضرات

نے اس قسم کے امور میں ''فی سبیل اللہ'' کی بنیاد پر زکوٰۃ کا مال لگایا یا صرف کیا ہو یا اس کی اجازت دی ہو۔

مانا کہ موجودہ عہد میں جہاد کی بہت سی اقسام ہیں (لسانی، فکری، قلمی، سیاسی جہاد وغیرہ) جنہیں بڑے زور وشور سے کیا جا رہا ہے تو یہ دور حاضر کی پیداوار نہیں ہے۔ سب نہ سہی ان میں بہت سی اقسام ہر عہد میں تھیں۔ تاریخ کے ہر دور میں لسانی، فکری اور قلمی جہاد کے مختلف محاذ کھلے ہوئے تھے۔ اسلاف ان محاذوں پر اپنی علمی وفکری توانائیاں صرف کر رہے تھے۔ دین کی حفاظت، نشر واشاعت اور اس کی طرف سے دفاع کا کام زبان وقلم سے ہر عہد میں لوگوں نے کیا ہے۔ مصالح عامہ اور رفاہی کاموں کی بہتات ہر عہد میں رہی ہے اور ایسی بہت سی چیزیں شاید اس زمانہ میں زیادہ اہم رہی ہوں لیکن ان سب کو اس مصرف کے تحت کسی قابل ذکر امام ومجتہد نے شمار نہیں کیا ہے۔

فی سبیل اللہ ــــــ مجتہدین کی نظر میں

کتب تفاسیر کے مذکورہ بالا اقتباسات سے فقہاء ومحدثین کی ''فی سبیل اللہ'' کے بارے میں آراء اگرچہ واضح ہو چکی ہیں لیکن پھر بھی کتب فقہ سے چند مزید اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں تا کہ فقہاء مجتہدین کے اقوال ودلائل زیادہ آئینہ ہو کر سامنے آ جائیں۔

مشہور فقیہہ ابن رشد فی سبیل اللہ کے بارے میں مجتہدین کے مذاہب نقل کرتے ہیں:

"واما فی سبیل اللّٰہ فقال مالك سبیل اللّٰہ مواضع الجهاد والرباط وبه قال ابوحنیفة وقال غیره الحجاج والعمار وقال الشافعی هو الغازی جار الصدقة"(بدایة المجتهد، ج۲، ص ۱۲۸)

الجموع شرح المہذب میں ہے:

"ومذهبنا ان سهم سبیل الله المذکورة فی الآیة الکریمة یصرف الی الغزاة الذین لاحق لهم فی الدیوان بل یغزون متطوعین وبه قال ابوحنیفة ومالك رحمهما اللّٰہ وقال احمد رحمه اللّٰہ تعالٰی فی اصح الروایتین عنه یجوز صرفه الی مرید الحج وروی مثله عن ابن عمرؓ......" (ج۶، ص ۲۱۲)

المغنی میں ہے:

© rasailojaraid
© rasailojaraid.c

"اختلف الرواية عن احمد فی ذلك فروی عنه انه لا یصرف منها فی الحج وبه قال مالك وابوحنيفة والشافعی وهی اصح ...... وروی عنه ان الفقير يعطی قدر ما يحج به الفرض او يستعين به فيه يروی اعطاء الزكوة فی الحج عن ابن عباس وعن ابن عمر الحج من سبيل الله"

(المغنی' ج۲' ص ۷۰۲)

جہاں تک فقہاء احناف کا تعلق ہے تو ان کی آراء کا مطالعہ کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ فقہائے احناف کے نزدیک عاملین زکوٰۃ کے علاوہ زکوٰۃ کے تمام مصارف میں استحقاق زکوٰۃ کے لیے فقر کی شرط ہے۔ یعنی فی سبیل اللہ کا مصداق جس طبقہ کو بھی قرار دیا جائے تو وہ فقیر اور حاجت مند ہونے ہی کی صورت میں زکوٰۃ کا مستحق ہوگا۔ لہٰذا فی سبیل اللہ کے بارے میں فقہاء احناف کے درمیان جو بھی اختلاف ہو وہ زکوٰۃ کے تعلق سے لفظی اختلاف ہو کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ البحر الرائق میں ہے:

"ولا يخفی ان قيد الفقر لابد منه علی الوجوه كلها"

(البحر الرائق' ج۲' ص ۲٤۲)

فتح القدیر میں ہے:

"انما يعطی الاصناف كلهم سوی العامل بشرط الفقر"

(ج۲' ص ۲٦۹)

چنانچہ فی سبیل اللہ کے بارے میں فقہائے احناف کی ترجمانی کرتے ہوئے شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"(وفی سبيل الله) فهم فقراء الغزاة هكذا قال ابويوسف وقال محمد هم فقراء الحجاج المنقطع بهم" (مبسوط' ج۲' ص ۱۲)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ومنها فی سبيل الله وهم منقطع الغزاة الفقراء منهم عند ابی يوسف وعند محمد منقطع الحاج الفقراء منهم" (ج۱' ص ۱۸۸)

البحر الرائق میں ہے:

"(قوله منقطع الغزاة) هو المراد بقوله تعالیٰ وفی سبيل الله وهو اختيار منه لقول ابی يوسف وعند محمد منقطع الحاج" (ج۲' ص ۲٤۲)

com

عمدۃ القاری میں ہے:

''(قوله وفي سبيل الله) وهو منقطع الغزاة عند ابى يوسف ومنقطع الحاج عند محمد'' (ج ٦' ص ٤٨٧)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

''وفي سبيل الله اى ولمن في سبيل الله فان المصرف الشخصى وهو منقطع الغزاة اى الذين عجزوا عن اللحوق بجيش الاسلام بفقرهم بهلاك النفقة او الدابة او غيرهما فتحل لهم الصدقة''

(حاشية الطحطاوى' ج ٢' ص ٣٩٧)

فقر کی شرط لگانے کے بعد شیخین اور امام محمد کا اختلاف زکوٰۃ کے بارے میں زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز نہیں رہ جاتا۔ لیکن پھر بھی فقہائے احناف نے عموماً شیخین کے قول کو صحیح اور مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''والصحيح قول ابى يوسف كذا في المضمرات'' (ج ١' ص ١٨٨)

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:

''قوله (وهو منقطع الغزاة) ...... وهذا التفسير اختيار ابى يوسف قال في غاية البيان وهو الاظهر وقال الاستيجابى انه الصحيح ...... وقد علمت ان المختار قول ابى يوسف ''(ج ٢' ص ٣٩٨)

غرض یہ کہ فی سبیل اللہ کے بارے میں ائمہ مجتہدین کی آراء کا خلاصہ یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف نے فی سبیل اللہ کے مفہوم میں صرف فقیر غازی کو داخل کیا ہے جبکہ امام مالک اور امام شافعی نے غازی فقیر کے ساتھ ساتھ غازی غنی دونوں کو داخل کیا ہے' جبکہ امام احمد اور امام محمد نے محتاج حاجی کو بھی داخل کیا ہے۔

اور جہاں جہاں عمومیت کی بات ہے تو وہاں فقر و احتیاج کی بھی قید ہے۔ لہٰذا اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم کو عام بھی کیا جائے تو فقر اور احتیاج کی قید کے ساتھ کیا جا سکتا ہے' اس کے بغیر عمومیت کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

تو صرف فی سبیل اللہ کے لفظی عموم کے پیش نظر غلط فہمی میں مبتلا ہونا اور آیت مصارف میں فی سبیل اللہ کو دیکھ کر یہ کہنا کہ اس میں وہ تمام امور داخل ہیں جو کسی بھی حیثیت سے نیکی اور عبادات کے امور میں شامل ہیں' چاہے وہ کسی قسم کے رفاہی کام ہوں یا دین کی

© rasailojaraid

نصرت ودفاع اور نشر واشاعت کے سلسلے میں کوئی کام ہو' یہ سراسر غلط اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہے۔

کیونکہ اسلام کی ابتدائی چند صدیوں میں یہ بات متفق علیہ اور اجماعی رہی کہ مسجد کی تعمیر' رفاہی کاموں اور دیگر نیک کاموں میں زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر ہم فی سبیل اللہ کو عام کر کے تمام رفاہی کاموں اور نیک کاموں کو اس دائرے میں لے آئیں تو اس سے صدیوں تک برقرار اجماع کی مخالفت لازم آئے گی۔

ائمہ اربعہ' فقہائے ملت میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں' مساجد کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارفِ زکوٰۃ میں داخل ہیں۔ بلکہ اگر دیکھا جائے تو اس کے خلاف تصریحات ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مصالح مسلمین یا کسی اور کارِ خیر میں زکوٰۃ خرچ کرنے کو فقہائے اسلام نے متفقہ طور پر ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ زاہد الکوثریؒ "الافصاح عن معانی الصحاح" سے ائمہ اربعہ کا اتفاق نقل کرتے ہیں:

"واتفقوا علی انه لا یجوز ان تخرج الزکوٰة الی بناء مسجد ولا تکفین میت وان کان من القرب لتعین الزکوة لما عنیت له"

اس کے بعد علامہ کوثریؒ لکھتے ہیں:

"یرید اتفاق ابی حنیفة ومالك والشافعی واحمد واصحابهم علی عدم تجویز ذلك وهذا نتیجة اتفاق من قبلهم من فقهاء الصحابة والتابعین" (مقالات الکوثری' ص ۱۸۹)

کتاب الاموال میں ہے:

"فاما قضاء الدین عن المیت والعطیة فی کفنه وبنیان المساجد ...... وما اشبه من انواع البر ...... یجمعون علی ان ذلك لا یجزی من الزکوٰة لانه لیس من الاصناف الثمانیة ...... الخ"

(کتاب الاموال' ص ۱۰٤)

شرح الصغیر میں ہے:

"فهذه الاصناف الثمانیة ...... فلا نجزئ لغیرهم ...... الخ"

(شرح الصغیر' ج۲' ص ۱۲۲)

المغنی میں ہے:

”ولا یجوز صرف الزکوۃ الی غیر من ذکر اللّٰہ تعالٰی من بناء المساجد والقناطر والسقایات واصلاح الطرقات ..... واشباہ ذلک من القرب التی لم یذکرھا اللہ تعالی (المغنی ج۲، ص ۵۲۷)

بدائع الصنائع میں ہے:

”وعلی ھذا یخرج صرف الزکوۃ الی وجوہ البر من بناء المساجد والرباطات والسقایات واصلاح القناطر وتکفین الموتی ودفنھم انہ لا یجوز لانما لم یوجد التملیک اصلاً“ (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۳۹)

نیز اِن تصریحات سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے معیّنہ آٹھ مصارف میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تمام فقہاء کرام کے ہاں تملیک شرط ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ تملیک کا مسئلہ صد فیصد متفق علیہ نہیں ہے، دین وشریعت کے بارے میں عدمِ واقفیت کی دلیل ہے۔

فقہاءِ کرام نے تملیک کی شرط جن نکات کی وجہ سے لگائی ہے اس سلسلے میں یہ نکات قابلِ ذکر ہیں:

(۱) قرآن مجید نے مصارفِ زکوٰۃ کا آغاز ”لام“ سے کیا ہے جو کہ تملیک کے لیے ہے۔ (ملاحظہ ہو روح البیان، ج۳، ص ۴۵۳۔ تفسیر خازن ج۲، ص ۹۲، تفسیر قرطبی، ج۴، ۱۰۷)

(۲) قرآن کریم نے متعدد مواقع پر وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فرمایا اور یہ ایتاء اعطاء کے معنی میں ہے جو اس بات کا متقاضی ہے کہ مال زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے۔ جیسے مہر سے متعلق ارشاد ہوا کہ ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ یہاں بھی ایتاء تملیک کے معنی میں ہے۔

شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

”والاصل فیہ ان الواجب فیہ فعل الایتاء فی جزء من المال ولا یحصل الایتاء الا بالتملیک فکل قربۃ خلت عن التملیک لا تجزئ عن الزکوۃ“ (مبسوط، ج، ص ۲۶۹)

رہ گئی یہ بات کہ اس مدّ خاص میں ”لام“ کے بجائے ”فی“ کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا؟ تو علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ ”فی“ عربی زبان میں ظرف پر داخل ہوتا ہے اور ظرف مظروف کا احاطہ واستیعاب کر لیتا ہے۔ اس طرح ظرف کے ساتھ تعبیر تاکید بلیغ اور اہتمام خاص کو بتاتی ہے۔ چونکہ پہلے چاروں مدّات کے مقابلے میں بعد کے چاروں مدات کی

© rasailojaraid.com

وعیت زیادہ اہم تھی اس لیے ان پر ''فی'' داخل کیا گیا۔ خصوصیت سے سبیل اللہ میں تو محض عطف پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ''رقاب'' اور ''غارمین'' کے ذکر کے بعد مستقل طور پر ''فی سبیل اللہ'' فرمایا گیا۔

"فان قلت لم عدل اللام الی فی فی الاربعة الا خیرة قلت للایذان بانهم ارسخ فی استحقاق التصدق علیهم مما سبق ذکره لان فی للوعاء فنبه علی انهم أحقاء بان توضع فیهم الصدقات ویجعلوا مظنه لها ومصبا .... وتکریر "فی" فی قوله فی سبیل الله وابن السبیل فیه فضل ترجیح لهذین علی الرقاب والغارمین" (الکشاف' ج۲'ص۲۸۳)

بہرحال اوپر ذکر کیے گئے تمام حوالہ جات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ فی سبیل اللہ کے بارے میں ابتداء اسلام سے دو ہی مسلک معروف رہے۔ صحابہ کرام' تابعین' ائمہ متبوعین' ائمہ تفسیر وفقہاء کرام نے فی سبیل اللہ کے لفظ کو مجاہدین اور حجاج کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔ اور جن فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ وہ فقیر وحاجت مند ہوں۔ ان کا استحقاقِ زکوٰۃ ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل کیے جانے پر موقوف نہیں ہے۔

ان تصریحات اور حوالہ جات کی ضرورت اس لیے پڑی کہ دورِ حاضر میں بعض مصنفین اپنے مضامین میں اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ ''فی سبیل اللہ'' کے اندر تعمیم کرتے ہوئے ہر دینی' رفاہی کام کرنے والی انجمنوں' اکیڈمیوں کو ''فی سبیل اللہ'' میں داخل کیا جائے اور زکوٰۃ کی رقم سے ان علمی اور اشاعتی اداروں کے بازو مضبوط کیے جائیں جو الحاد ولادینیت کے خلاف صف آراء ہیں (اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کوئی اپنے اشاعتی ادارے کے لیے فکرمند ہے)

اور مزید یہ کہ علماء کرام اور مفتیانِ عظام کو اس بات کی دعوت دی جارہی ہے کہ وہ اس معاملے کے اندر ''حکمت'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے جمہور صحابہ' جمہور ائمہ وفقہاء کے متفقہ مسئلہ کی خلاف ورزی کریں کہ جمہور فقہاء کے مفتیٰ بہ اقوال کی آج کے زمانے میں ضرورت نہیں ہے' اور موجودہ زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے ''فی سبیل اللہ'' کے اندر تعمیم کا مظاہرہ کر کے ان کی اکیڈمیز' اور انجمنز کو اس کے اندر داخل کریں۔

اسی نظریہ کی حمایت میں ایک مضمون جو کہ سوال کے ساتھ بھی منسلک ہے جس میں اپنی

ضروریات کے رونے کے‘ اصحاب مدارس پر غیظ وغضب کے‘ اور جذباتیت کے سوا دلائل نام کی کوئی ایسی علمی یا قابل توجہ بات نہیں ہے جس کے متعلق کچھ کہا جائے (ماسوائے اجتہاد کے کہ جس کے متعلق مضمون نگار کی غلط فہمی کو آگے دور کیا جائے گا)

لیکن چونکہ اس قسم کے جذباتیت سے بھرپور لفاظی سے مرقع ومزین (حقیقتاً بے دلیل) مضامین سے عوام کے شکوک وشبہات میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہے تو اسی وجہ سے ''فی سبیل اللہ'' کے بارے میں گزشتہ اوراق میں صحابہ‘ جمہور فقہاء کے اقوال کو تفصیلاً ذکر کیا تاکہ ہر عامی کو بھی پتہ چل جائے کہ ''فی سبیل اللہ'' کے بارے میں وہ معروف ومشہور مسلک کیا ہے کہ جس کو جمہور نے اختیار کیا اور جس پر جمہور کا اجماع ہو گیا۔

لہٰذا آج کے تمام ایسے باطل نظریات جو جمہور اُمت‘ ائمہ مجتہدین اور سلف کے اقوال کے خلاف اور اجماع کے خلاف ہوں وہ کسی طرح بھی قابل قبول نہیں‘ نہ ہی ان میں قیاس اور جدید اجتہاد کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں بھی گزرا کہ اُمت جب کسی مسئلہ میں کسی زمانہ میں چند اقوال پر اختلاف کرے تو اس پر اجماع ہو گیا کہ اس کے علاوہ کوئی اور رائے رکھنا باطل ہے۔ (نور الانوار‘ ص ۲۲۳)

اگر اس طرح کے شاذ و نادر اور باطل نظریوں کو قابل اعتناء سمجھا گیا تو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس طرح کے نظریات تو تلاش کرنے سے ہر مسئلہ میں مل جائیں گے۔

ائمہ تفسیر وفقہاء کی مذکورہ بالا تصریحات سے قطع نظر صرف ایک بات پر غور کر لینا ہی اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ اگر مصرف زکوٰۃ میں اتنا عموم ہوتا کہ ہر کارِ خیر کو اس میں شامل کیا جاتا تو قرآن کریم میں ان آٹھ مصارف کا بیان (نعوذ باللہ) بالکل فضول اور لغو ہو جاتا۔ حالانکہ قرآن کریم میں حصر کے ساتھ زکوٰۃ صرف کرنے کی آٹھ مدیں متعین کی گئی ہیں۔ حصر کے ساتھ آٹھ مصارف متعین کرنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ شریعت زکوٰۃ صرف کرنے کی کچھ حدود متعین کرنا چاہتی ہے۔ اگر فی سبیل اللہ کو عموم پر محمول کرتے ہوئے ہر کارِ خیر‘ دینی‘ دعوتی‘ اشاعتی کام کو اس میں شامل کر لیا گیا تو حصر کے ساتھ آٹھ مصارف متعین کرنا بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی کہ:

''تقسیم صدقات کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی وغیر نبی کے حوالے کرنے کو پسند نہیں فرمایا‘ بلکہ خود ہی آٹھ مصارف متعین فرما دیئے''۔

تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں ہر کارِ خیر داخل ہو کر مصرفِ زکوٰۃ ہو تو معاذ اللہ ارشادِ نبویؐ

© rasailojaraid.com

بالکل غلط قرار پاتا ہے۔

نیز زکوٰۃ کے سلسلے میں آیات واحادیث کا وسیع ذخیرہ مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ زکوٰۃ کا سب سے بنیادی مصرف فقراء ومساکین ہیں۔ اسلام میں زکوٰۃ کا نظام دراصل سماج کے اسی حاجت مند اور معاشی طور پر پس ماندہ طبقہ کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہی نافذ کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حدیث معاذ میں زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا:

((تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ)) (مشکوٰۃ' ص ۱۵۵)

حدیث کا یہ ٹکڑا شہرت واستفاضہ کی شان رکھتا ہے۔ یہ حدیث تقریباً احادیث کی تمام مستند کتابوں میں موجود ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اپنے معاشی نظام میں مالداروں کی آمدنی کا ایک حصہ فقراء ومساکین کی ملکیت قرار دیا تاکہ فقراء اس سے اپنی ضروریات پوری کریں۔ اسی وجہ سے تاریخ اسلام کے ہر دور میں زکوٰۃ کی رقم فقراء و مساکین کو ملتی رہی اور ان کے لیے زکوٰۃ بہت بڑا اقتصادی سہارا رہی۔ اسلامی حکومتوں میں رفاہ عامہ' اجتماعی فلاح و بہبود' نشر واشاعت کے بڑے بڑے کام کیے گئے لیکن زکوٰۃ کی رقم کو ہاتھ نہیں لگایا گیا' زکوٰۃ برابر فقراء ومساکین میں تقسیم کی جاتی رہی۔

آج جو لوگ زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا دائرہ وسیع کر کے ہر کارِ خیر کو شامل کرنا چاہتے ہیں یا فی سبیل اللہ کے دامن کو وسیع کر کے دین وملت سے تعلق رکھنے والے ہر اجتماعی کام کو اس میں سمیٹنا چاہتے ہیں یا دین کی نصرت ودفاع کے ہر عمل کو فی سبیل اللہ کا فرد تصور کرتے ہیں وہ لوگ دراصل شعوری یا غیر شعوری طور پر فقراء ومساکین کو زکوٰۃ سے محروم کرنے کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں' حالانکہ زکوٰۃ کا اہم ترین مصرف سماج کا وہی عنصر ہے جو ضروریاتِ زندگی سے بھی محروم ہے' جسے ہم فقراء ومساکین کے نام سے جانتے ہیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس نظریہ تعمیم کی جو بنیادی مضرت ہے وہ یہ کہ اگر بالفرض ہم نے جمہور امت کی اس متفقہ اور اجماعی کاوش کی خلاف ورزی اور عدول کر کے جدید اجتہاد کے تحت فی سبیل اللہ کا دائرہ کار وسیع کر دیا تو مساجد' مسافر خانوں اور دیگر رفاہی اداروں کی تعمیر وانتظام کرنے والے' دینی تحقیقاتی مراکز' اکیڈمیاں' انجمنیں' تصنیفی ادارے قائم کرنے والے اور دوسرے سینکڑوں قسم کے دینی اور عملی خدمت گزار زکوٰۃ کی رقم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ خدامِ دین کے نام پر اُمت کا ایسا طبقہ زکوٰۃ پر قابض ہو جائے گا کہ اصل مصرف والے ہاتھ

ملتے رہ جائیں گے۔

کالج اور یونیورسٹیاں چلانے والے خود کو خدامِ دین و مسلمین سے کیوں جدا سمجھیں گے؟ کہیں گے کہ ہم سے زیادہ دین و ملت کی خدمت کرنے والا کون ہے! ہم لوگ تو مسلمانوں کی نئی نسل کو لادینی کالجوں کے ایمان سوز ماحول سے بچا رہے ہیں۔

مسلم گرلز کالج قائم کرنے والے کہیں گے زکوٰۃ پر سب سے زیادہ حق ہمارا ہے' کیونکہ اگر ہماری لڑکیاں ان اسکول اور کالجوں میں تعلیم حاصل کریں گی جو غیر مسلموں کے زیر انتظام ہیں تو دین وایمان کے ساتھ ان کی عزت وآبرو بھی خطرے میں پڑ جائے گی' لہٰذا ہم سب سے زیادہ اہم دینی کام کر رہے ہیں۔ اسلامی ہسپتال اور شفا خانے قائم کرنے والے کہیں گے کہ غیر مسلموں کے ہسپتالوں میں ہماری خواتین علاج ومعالجہ کے لیے داخل ہونے پر مجبور ہوتی ہیں' زچگی کے مراحل انہیں غیر مسلموں کی زیر نگرانی طے کرنے پڑتے ہیں جس سے ان کی بے حرمتی اور بے آبروئی ہوتی ہے' ان شفا خانوں میں اصول وآداب کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا' لہٰذا ہم لوگ اسلامی شفا خانے' نرسنگ ہوم قائم کر کے سب سے بڑا دینی اور ملی کام کر رہے ہیں تو ہم زکوٰۃ کے اوّلین مستحقین میں سے ہیں۔ ممبران پارلیمنٹ بھی اپنا بھتہ زکوٰۃ کی رقم سے وصول کرنے لگیں گے' کیونکہ وہ بھی اپنے آپ کو مسلمانوں کا خادم سمجھتے ہیں۔ اصحاب عرس ومزار اور اصحاب نیاز کو تو عمدہ مصرف ہاتھ لگ جائے گا۔

غرض اس وقت ہزار چیخا جائے لیکن فی سبیل اللہ کی توسیع کے دائرہ میں ''خدام دین و ملت'' اور ''مجاہدین اسلام'' لاکھوں کی تعداد میں دلفریب عنوانوں کے ساتھ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے میدان میں کود پڑیں گے۔ کیونکہ اپنے زعم کے مطابق ہر کوئی دینی وملی کام میں مصروف ہے۔ پھر بھلا کوئی ان غریبوں کا کہاں خیال کر پائے گا جن کے پاس دلفریب عنوان ہے نہ زورِ بیان ہے اور نہ ہی رعنائی قلم ہے۔

لہٰذا فی سبیل اللہ میں نظریۂ تعمیم مزاجِ شرع سے بالکل موافقت نہیں رکھتا۔ ایسی صورت میں اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ شریعت نے جن مصالح اور اغراض ومقاصد کے پیش نظر نظامِ زکوٰۃ قائم کیا ہے وہ کہیں درہم برہم نہ ہو جائے۔

باقی جہاں تک عہد حاضر میں حالات کا تعلق ہے تو یہ حقیقت ہے کہ سترہویں صدی کے صنعتی اور فکری انقلاب کے بعد مغرب بڑی قوت سے اسلام پر حملہ زن ہوا اور اس نے فکری اور نظری یلغار عالم اسلام پر اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ شروع کر دی' جبکہ دوسری طرف

© rasailojaraid.com

اسلام کے خادمین اور اس کے فکری وعملی محافظین کا رشتہ حکومت وسلطنت سے کٹ کر رہ گیا۔ وسائل وذرائع سے محرومی ان کے سامنے ایک سوالیہ نشان بن گئی کہ ان حالات میں کہ باطل پورے مادی وسائل کے ساتھ علم وقلم کی شمشیر بے نیام لے کر بڑھ رہا ہے' اسلامی سلطنتیں جو کہ مغربی تہذیب کے سامنے سپر انداز ہو چکی ہیں' ان کے بیش قدر ذرائع میں ثقافت اور تہذیب کے نام پر بددینوں کے لیے تو وافر حصہ ہے لیکن حفاظت اسلام کے لیے نہ صرف کوئی حصہ نہیں بلکہ وہ ایک جرم کا درجہ رکھتا ہے۔ ان حالات میں وہ اسلام کی فکری مورچہ بندی اور اہلِ باطن کی صف شکنی اور مدافعت کے لیے کہاں سے وسائل لائیں!

لیکن اس کا مطلب اب یہ بھی نہیں کہ اس صورتحال میں ہم فی سبیل اللہ کے بارے میں جمہور ائمہ وفقہاء کے اجماعی مفہوم کو نظر انداز کر کے کسی نئے اجتہاد کے ذریعہ فی سبیل اللہ کے لغوی معنی کو اختیار کرتے ہوئے زکوٰۃ ہی سے ان ضروریات کی تکمیل کریں۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ زکوٰۃ محض رفاہ عام کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک عبادت ہے' اس کی حدود حق تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں جن کی رعایت ضروری ہے۔

مانا کہ دورِ حاضر میں مختلف دینی ودعوتی کام' دین کی نصرت ودفاع کے لیے تحریکوں اور نشر واشاعت کی اہمیت اور اس کے لیے کافی سرمایہ درکار ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور دوسری طرف عام مسلمانوں خصوصاً امراء اور اہل ثروت میں دینی حمیت اور مسابقت الی الخیرات کے جذبے کی کمی کا شکوہ بھی بالکل غلط نہیں کہ ان میں صدقاتِ نافلہ اور غیر زکوٰۃ کی مدّوں سے کثرت سے نہ دینے کا اہتمام واضح ہے۔ مسلمان روٴساء سے جو سرمایہ حاصل ہوتا ہے اس کا اکثر حصہ زکوٰۃ ہی کا ہوتا ہے۔ دین سے بے رغبتی اور بے توجہی کی وجہ سے اس قسم کے کاموں کے لیے علیحدہ سے مستقل رقم ہونا دشوار ہے۔

مانا کہ یہ باتیں حقیقت ہیں لیکن ان کے باوجود اس بات کی بالکل گنجائش نہیں ہے کہ ان ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ''اجتہادِ جدید'' کے ذریعہ فی سبیل اللہ کا دائرہ وسیع کر دیا جائے۔ ہر درد کا مداوا زکوٰۃ ہی میں تلاش کرنا غلط ہے۔ زکوٰۃ کا ایک خاص مقصد ہے ''**تؤخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم**'' جو بہر حال نظر انداز نہیں ہونا چاہئے۔ استحقاقِ زکوٰۃ کے لیے فقر اور اداءِ زکوٰۃ کے لیے تملیکِ مستحق بنیادی شرطیں ہیں۔ واضح نصوص کی بنا پر بعض خاص جزئیات میں اصولاً استثناء کی گنجائش ہو سکتی ہے' مگر فقر وتملیک کی بنیادی شرطوں کو یکسر نظر انداز کر کے تمام ملی' دینی' اصلاحی' دعوتی' اشاعتی کاموں کے لیے زکوٰۃ کی رقم صرف

کرنے کی وکالت کرنا اور ہر قسم کے دینی' خیراتی کاموں میں بلا قید زکوٰۃ کی رقم دیے جانے کی حمایت کرنا ایسی اباحیت پسندی ہوگی جس کی نظیر سابقہ ادوار میں ملنا مشکل ہے۔ اس کے نتیجے میں مصرف زکوٰۃ میں جو عموم پیدا ہوگا اس سے زکوٰۃ کے اصل و بنیادی مقاصد فوت ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں بیانِ مصارف کا اہتمام' رسول اللہ ﷺ کا اس پر من وعن سختی سے عمل کرنے پر اصرار اور مصارفِ زکوٰۃ میں کسی قسم کی توسیع اور من مانی سے واضح اور غیر متزلزل انکار یہ سب چیزیں بے معنی ہو کر رہ جائیں گی۔

نظریۂ تعمیم پر ابھارنے والی ان ضروریات کی تکمیل کے لیے اولاً تو اس بات کی کوشش کی جائے کہ مسلمانوں سے دین سے بے رغبتی اور دعوتی کاموں سے بے توجہی کی اس غفلت کو دور کیا جائے' اور کوشش کی جائے کہ مسلمان سرمایہ داران دینی و دعوتی کاموں میں دلچسپی لیں۔

اور اگر کوشش کے باوجود بھی دینی تحریکوں اور تنظیموں کے چلانے کی صورت نہیں پیدا ہوتی تو ہم اتنے ہی مکلّف ہیں جتنا ہمارے اختیار میں ہے۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ)

کوشش کے بعد ناکامی کی صورت میں ہم سے خدا کے یہاں اس کی باز پُرس نہ ہوگی کہ ہم نے ایسا کام کیوں نہیں کیا۔ رہا دین و مذہب کی ترقی اور صیانت وحمایت اور اشاعت کا مسئلہ تو اصلاً تو اللہ ہی اپنے دین کا محافظ اور نگہبان ہے۔ ہماری کوششیں محض وسائل و ذرائع ہیں اور کوشش کرنے میں ہم اسی حد تک مکلّف ہیں کہ جتنا ہمارے اختیار میں ہے۔ اس کی وجہ سے ہم دلائل کی قوت' مسئلہ پر ایک طرح سے اجماع اور ہر عہد میں ایسے امور کے درپیش ہونے کے باوجود سلف و خلف کی مخالفت کی جسارت کیسے کر لیں؟ مصارف زکوٰۃ کے حصر کے ساتھ جو تفصیل ربّ العالمین نے فرمائی' جس کو خود رسول الثقلین ﷺ نے نہیں توڑا' اس کو آج ہم توڑنے لگیں تو یہ ہماری ایسی زیادتی ہوگی جو قابل معافی نہ ہوگی۔

لہٰذا یہ ضرورتیں توسع کا باعث نہیں بن سکتیں۔ چند لوگوں کی آراء اور ضرورت کے دعویٰ پر کان نہیں دھرا جا سکتا۔ کیونکہ اس طرح ہر کسی کی ضرورتوں پر اٹھنے والے نظریہ پر اجتہاد کرنے بیٹھ گئے تو اس سے دین کا چہرہ مسخ ہو جائے گا' دین قیم میں ترمیم و تنسیخ کا دروازہ کھل جائے گا۔ ہر دوسرا شخص جس کے ہاتھ میں قلم آ گیا تو وہ اپنی ضرورتوں کے مصالح گنوا کر علماء کرام اور مفتیانِ عظام کو دعوت دے دے گا کہ وہ بیٹھیں اور اس معاملے میں ''اجتہادِ جدید'' کریں۔

© rasailojaraid.c

ہر دوسرا شخص نصوصِ صریحہ سے ثابت شدہ جمہور فقہاء و ائمہ کے اتفاقی اور اجماعی مسائل میں حالات وظروف کے بدل جانے کو بنیاد بنا کر علماء کو اس مسئلہ میں غور کرنے اور نئے سرے سے اجتہاد کرنے کی دعوت دے گا۔

مثلاً ایک گروہ اٹھے اور کہنا شروع کر دے کہ پچھلے زمانے میں دین سے رغبت کا دَور تھا' ہر شخص میں مسابقت الی الخیر کا جذبہ تھا' فرائض وعبادات اعمال کا شوق تھا' قویٰ مضبوط اور ہمتیں بلند تھیں' لہٰذا بیس رکعات تراویح اس زمانے کے بالکل عین مطابق تھیں' لیکن اب حالات بدل چکے ہیں' دین سے دوری' بے رغبتی اور بے توجہی کا دور ہے' اعمال وعبادات کا شوق نہیں ہے' فرائض بھی بمشکل پورے ہوتے ہیں' ہمتیں کمزور ہیں' لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ چونکہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے' علماء کرام اور فتویٰ دینے والے حضرات کو چاہیے کہ پچھلے زمانے کے ''مُلْکًا عَاضًا'' کے دَور کے مفتیٰ بہ اقوال اور فتویٰ کو آج کے یکسر مختلف زمانہ پر چسپاں نہ کریں' بلکہ ''حکمت'' سے کام لے کر اجتہادِ جدید کریں۔

دوسرا گروہ اٹھے گا اور تین طلاق کے اجماعی اور اتفاقی مسئلہ میں آج کل کے علماء کو دعوتِ فکر دے گا کہ چونکہ ایمان سے دوری کا زمانہ ہے' معاشرتی نظام خراب ہے' لوگوں میں برداشت کی کمی ہے' لہٰذا اس میں بھی علماء کو چاہیے کہ سر جوڑیں اور اجتہادِ جدید کے ذریعہ آسانی کا پہلو نکالیں۔

غرض یہ کہ ہر شخص یا گروہ کسی نہ کسی مسئلہ کو لے کر اٹھے گا اور علماء کرام کو دعوتِ فکر دینا شروع کر دے گا۔ کوئی بعید نہیں کہ کوئی شخص دن بھر کی پانچ نمازوں کو بوجھ سمجھ کر اس میں کمی کی' حج کی مشقتوں کو دیکھ کر اس میں ترمیم کی (علیٰ ھذا القیاس) اور دیگر عبادات یا اجماعی مسائل کے اندر حالات وظروف کو بنیاد بنا کر نئے سرے سے اجتہاد کرنے کی دعوت دے دے۔

اس طرح کے ہر نظریہ پر اگر کان دھرنا شروع کر دیے یا اس طرح کی ضرورتوں کو بنیاد بنا کر اجتہادات شروع کر دیے تو واقعی یہ دین بازیچۂ اطفال بن جائے گا۔

لہٰذا فقر واحتیاج کی شرط کے بغیر فی سبیل اللہ میں کسی قسم کی توسیع کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس قسم کی اکیڈمیز' انجمنیں' رفاہی ادارے' دین کی نصرت ودفاع کے اور نشر واشاعت کے شعبے جہاں تملیک کی شرط نہیں پائی جاتی' زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں ہے' اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

☆ باقی ان تمام گزارشات سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ ہم دورِ حاضر میں اجتہاد کا

دروازہ مطلقاً بند کرنا چاہتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔

بلکہ اجتہاد کے متعلق یہ جاننا ضروری ہے کہ بے شک اسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کا روئے زمین پر آخری دین اور قرآن خاتم المرسلین ﷺ پر نازل ہونے والی آخری کتاب ہے۔ یہ دین ایک ابدی اور سرمدی دین ہے جو قیامت تک پیش آنے والے مسائل کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کے نظام میں ایسی لچک اور گنجائش رکھی گئی ہے کہ کسی دور میں یہ نہیں کہا جاسکے گا کہ دین اسلام انسانیت کی رہبری نہیں کرسکتا۔ شریعتِ اسلامی میں ایک عنصر ایسا ہے جو ہر دَور میں اس شریعت کو متحرک رکھتا ہے، جمود پیدا نہیں ہونے دیتا، وہ ہے اجتہاد، جس کے لغوی معنی ہیں اپنی بہترین کوشش صرف کرنا۔ لیکن اصطلاح شریعت میں نصوص شرعیہ کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کا حل دریافت کرنے کو کہتے ہیں۔

"استفراغ الجهد فى ادراك الاحكام الشرعية الفرعية عن ادلتها التفصيلية الراجعة كلياتها فى اربعة اقسام الكتاب والسنة والاجماع والقياس" (عقد الجید، ص ۸۔ الموافقات، ج ۱، ص ۲۵)

اسی قوت نے شریعت اسلامیہ کو ہمیشہ زندہ وتابندہ رکھا۔ اجتہاد کی حیثیت جسد شریعت میں تازہ خون کی سی ہے جو شریعت کو ہر دور میں قابل عمل رکھتا ہے۔ تاہم یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اجتہاد بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر کوئی یہ منصب سنبھال لے۔ اس کی بہت سی شرائط ہیں جن کی تکمیل کے بغیر اجتہاد کرنے کی کوشش کرنا تباہی وبربادی کے سوا کچھ نہیں۔

کتاب وسنت کے تمام احکام ابدی اور دائمی ہیں۔ ان میں کسی ترمیم واضافہ کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں ترمیم یا اضافہ کردیا جائے تو اسلامی دستور کے مکمل اور دائمی ہونے کا مقصد فوت ہوجائے گا۔

اسلام میں اجتہاد کی اجازت صرف ان امور میں دی گئی ہے جن میں کتاب وسنت کی کوئی ہدایت موجود نہیں ہے۔ لیکن ان امور میں جن کا ذکر صراحتاً قرآن وحدیث میں موجود ہے، ان میں ایک شخص تو کیا پوری اُمت کو بھی تبدیلی کا حق حاصل نہیں ہے۔ اجتہاد کا یہ مطلب نہیں کہ کتاب وسنت کے اصولی احکام کو پس پشت ڈال دیا جائے اور ان کے صریحی احکام کے منشاء کے خلاف کوئی ترمیم یا اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ عقد الجید میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"وشرطه انه لا بد له ان يعرف من الكتاب والسنة ما يتعلق بالاحكام ومواقع الاجماع وشرائط القياس وكيفية النظر .... قال البغوى

© rasailojaraid.c

والمجتهد من جمع خمسة انواع من العلم علم كتاب الله عزوجل وعلم سنة رسول الله ﷺ وعلم اقاويل علماء السلف من اجماعهم واختلافهم وعلم اللغة وعلم القياس وهو طريق استنباط الحكم عن الكتاب والسنة اذا لم يجده صريحاً في نص كتاب او سنة او اجماع فيجب ان يعلم من علم الكتاب ...... الخ" (عقد الجيد' ص ۱۱)

اس کے برخلاف آج جو لوگ اجتہاد اجتہاد کا نعرہ لگاتے ہیں بقول ان کے اسلام نے عبادات' سیاست' معیشت' معاشرت میں جو حدیں مقرر کی ہیں ان کو حالات اور ماحول کے تقاضے کے تحت بدلا یا توڑا جا سکتا ہے۔ ان میں سے بعض حضرات تمدنی ضروریات اور زمانہ کی مصلحتوں کو بھی آڑ بنا کر اسلامی احکام میں تبدیلی کا وعظ کرتے ہیں۔ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کی کانٹ چھانٹ میں بھی دریغ نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک اجتہاد نام ہے اسلام کی خود ساختہ توجیہہ کا' اس سے بحث نہیں کہ دورِ اوّل میں اسلامی کردار کیا رہا؟ اسلامی تعلیمات کے اصل حاملین نے اس کی کیا توجیہہ کی ہے؟

لیکن ان کو معلوم نہیں کہ اسلام میں مصلحت اور ضرورت کا پورا لحاظ کیا گیا ہے' مگر اس کے بھی حدود مقرر ہیں۔ ہر کس و ناکس کی ضرورت اور تمدنی مصلحت کی بناء پر ان میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔

امام شاطبیؒ نے ایسے ہی لوگوں کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

"ان الشريعة مبنية على اعتبار المصالح وان المصالح انما اعتبرت من حيث وضعها الشارع كذلك لا من حيث ادراك المكلف"

(الموافقات' ج ۲' ص ۱۱۰)

"وان سميت كلفة فاحوال الانسان كلها كلفة في هذه المدار في اكله وشربه وسائر تصرفاته ولكن جعل له قدرة عليها بحيث تكون تلك التصرفات تحت قهرة لا ان يكون هو تحت قهر التصرفات"

(الموافقات' ج ۲' ص ۱۱۸)

بہرحال آج بہت سے ایسے نئے پیدا ہونے والے مسائل ہیں جن کا صریح جواب علماء سلف کی کتابوں میں نہیں ملتا' تو اس صورت میں بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ متبحر علماء بیٹھ کر کتاب و سنت اور فقہ قدیم کی روشنی میں ان کا حل تلاش کریں اور اجتہاد کریں۔

اور ایسی صورت میں کوئی شخص ان کے کیے ہوئے اجتہاد کو ''متاخرین کا اجتہاد'' کہہ کر ردّ نہیں کرے گا۔ البتہ اگر متاخرین میں سے کوئی شخص نصوص کے ہوتے ہوئے' جمہور ائمہ و فقہاء تک کے متعین کردہ مفہوم کے خلاف اور ائمہ مجتہدین کے اجماعی مسئلہ کے خلاف اجتہاد کرتے ہوئے اپنی رائے پیش کرے گا تو پھر یقیناً متاخرین کے متاخرین' جمہور ائمہ سلف کے مقابلے میں اس متاخرین کے اجتہاد کو ضرور ردّ کر دیں گے اور ناقابل التفات گردانیں گے' بلکہ ایسا کرنا ضروری بھی ہوگا۔

بہرحال ہمارے زمانے میں اجتہاد ائمہ اربعہ کی رائے کی روشنی میں ہونا چاہیے۔ اسلاف کی محنتوں سے فائدہ اٹھانا ہی برکات و آسانی کا موجب ہے' ماضی سے ربط و سبق حاصل کرنا' حال پر غور و فکر کرنا' مستقبل کے لیے راستے صاف کرنا ہی عقلمندی ہے۔ ائمہ اربعہ کے خلوص' تقویٰ اور ان کے علم کے سمندر ہونے کا کون انکار کر سکتا ہے!

خلاصہ

زکوٰۃ کے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' کے بارے میں جمہور اُمت کا نقطۂ نظر واضح ہو چکا جس کو پڑھنے کے بعد ضرور اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ مالِ زکوٰۃ صرف کرنے کے بارے میں اس روش پر چلنا سلامتی کی بات ہے جس پر امت مسلمہ چودہ سو سال تک چلتی رہی۔ قرآن کریم میں مذکور آٹھ مصارف کے علاوہ دوسرے رفاہی اور فلاحی کاموں میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

سورۃ التوبۃ کی آیت ۶۰ میں حصر کے ساتھ بیان کیا کہ زکوٰۃ صرف انہی آٹھ مدّوں میں خرچ کی جائے' ان سے باہر نہیں۔ اس کے بعد فرمایا:

﴿فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

یعنی یہ آٹھ مصارف اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے ہیں' اللہ تعالیٰ جاننے والا' حکمت والا ہے۔

فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ کی صراحت کر کے اعلان کر دیا کہ قیامت تک کسی کو ان مصارف میں ترمیم و اضافہ کا اختیار نہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم و حکمت کا حوالہ بڑا حکیمانہ اور معنی خیز ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف کی تحدید اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں علم و حکمت کی روشنی میں کر دی ہے۔ کسی انسان کو اِس کے بارے میں چوں چرا کرنے کی گنجائش نہیں

© rasailojaraid.com

ہے اور نہ ہی اجتہادِ جدید کے ذریعہ نئے مصارف تلاش کرنے کا جواز ہے۔ بلاشبہ سلامتی کی راہ وہی ہے جس پر امت مسلمہ چودہ سو سال تک چلتی رہی۔ گرے پڑے شاذ اقوال و نظریات کی پیروی کرنا' شریعت کی شاہراہِ عام کو چھوڑ کر پیچیدہ نامعلوم راہ پر چلنا خطرات سے خالی نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح فکر اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ فیصل رشید

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن' کراچی

۵رشعبان المعظم ۱۴۲۵ھ/۲۱ستمبر۲۰۰۴ء

الجواب صحیح

محمد عبدالمجید دین پوری' نائب رئیس دارالافتاء

جامعۃ العلوم الاسلامیہ' علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

اور پانچ مزید مفتی حضرات کے دستخط

دوسرا جواب:

الجواب ومنہ الصدق والصواب

واضح رہے کہ زکوٰۃ دین اسلام کا انتہائی اہم فریضہ ہے۔ عصر حاضر میں جس طرح دیگر ارکین اسلام کی حیثیت کو پامال کرنے کی ناپاک کوششیں کی جارہی ہیں اسی طرح اس اہم فریضہ یا اس کے متعلقات کو بھی متنازعہ بنانے کی خاطر بعض اداروں یا تنظیموں کی طرف سے دُنیوی مفاد کے حصول کے لیے سرتوڑ کوششیں کی جارہی ہیں۔ لیکن علماءِ حق ؒ نے بہت عرصہ قبل ہی اس فتنہ کے دروازے کو قرآن' حدیث اور اصولِ اسلامی کی مضبوط دلیلوں سے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

صورتِ مسئولہ میں جس انجمن کے افکار و نظریات کے حوالے سے جو چند صفحات منسلک کیے گئے ہیں ان صفحات کی رو سے اس انجمن کا نظریہ مصارفِ زکوٰۃ میں جمہور فقہاء و

مفسرین کے خلاف ہے۔ کیونکہ ''فی سبیل اللہ'' کا لفظ اگرچہ لفظی معنی کے اعتبار سے بہت عام ہے یعنی جو کام بھی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر کیے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے ''فی سبیل اللہ'' میں داخل ہیں۔ البتہ جو لوگ حضور اکرم ﷺ کی تفسیر و بیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعے اپنی ناقص عقل سے قرآن عظیم سمجھنا چاہتے ہیں یہاں ان کو مغالطہ ہوا کہ لفظ ''فی سبیل اللہ'' دیکھ کر زکوٰۃ کے مصارف میں اُن تمام کاموں کو داخل کر دیا جو کسی بھی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں۔ مساجد، مدارس، شفا خانے یا مسافر خانوں کی تعمیر، کنویں، پل یا سڑکیں بنانا، تمام رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات کو ''فی سبیل اللہ'' میں داخل کر کے زکوٰۃ کا مصرف قرار دیا ہے جو سراسر غلط اور اجماع اُمت کے خلاف ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے قرآن حکیم کو براہِ راست رحمتِ عالم ﷺ سے پڑھا اور سمجھا ہے ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں سب نے اس لفظ سے ''حجاج اور مجاہدین'' مراد لیا ہے۔ اور انہی کے اقوال کی روشنی میں ائمہ تفسیر نے اس لفظ کی یہی تفسیر کی ہے۔ مثال کے طور پر چند مستند مفسرین کی تفاسیر ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

صاحب کشاف علامہ محمود بن عمر الزمخشریؒ تحریر فرماتے ہیں:

(وفی سبیل اللہ) فقراء الغزاة والحجیج المنقطع بھم

(تفسیر کشاف، جلد۲، ص ۱۹۸)

علامہ ابن جریر طبری ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' میں رقم طراز ہیں:

واما قولہ وفی سبیل اللہ فانہ یعنی وفی النفقة فی نصرة دین اللہ وطریقة وشریعة التی شرعھا لعبادہ بقتال اعدائہ وذلک ھو غزو الکفار وبالذی قلنا فی ذلک (جامع البیان فی تفسیر القرآن، جلد۶، ص ۱۱٤)

علامہ محمد بن حبیب الماوردیؒ ''تفسیر الماوردی'' میں فرماتے ہیں:

(وفی سبیل اللہ) ھم الغزاة المجاھدون فی سبیل اللہ یعطون سھمھم من الزکاة مع الغنی والفقر (تفسیر الماوردی، جلد٤، ص ۳۷٦)

الدکتور وھبۃ الزحیلی ''تفسیر منیر'' میں فرماتے ہیں:

(وفی سبیل اللّٰہ) ای القائمین بالجھاد ولو اغنیاء او للصرف فی

© rasailojaraid.com

مصالح الجهاد بالاتفاق على التطوعة وشراء السلاح
(تفسیر منیر' جلد۹' ص ۲۶۰)

علامہ فخر الدین رازیؒ ''تفسیر کبیر'' میں فرماتے ہیں:

(فی سبیل الله) قال المفسرون یعنی الغزاة

(تفسیر کبیر' جلد۱۵' ص ۱۱۳)

علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسیؒ ''روح المعانی'' میں فرماتے ہیں:

(فی سبیل الله) ارید بذلك عند ابی یوسف منقطعوا الغزاة وعند محمد منقطعوا الحجیج (روح المعانی' جلد٤' ص ۱۲۳)

ان مفسرین کے علاوہ بھی دیگر بے شمار مفسرین کرام نے اپنی اپنی تفاسیر میں ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر ایسے مجاہدین اور حجاج سے کی ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو۔ باقی جن حضرات نے دینی طلباء یا دیگر نیک کام کرنے والوں کو جو اِس میں شامل کیا ہے تو وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ فقیر اور حاجت مند ہوں' حالانکہ فقیر و حاجت مند زکوٰۃ کے مصارف میں سے سب سے پہلے مصرف میں داخل ہیں۔ فقہاءِ اُمت میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ رفاہِ عام کے ادارے' مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارفِ زکوٰۃ میں داخل ہیں' بلکہ اس کے خلاف ان کی واضح تصریحات موجود ہیں کہ مالِ زکوٰۃ کو اِن چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

فقہاءِ احناف میں سے شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

(وفی سبیل الله) فهم فقراء الغزاة هکذا قال ابویوسف وقال محمد هم فقراء الحجاج المنقطع بهم لما روی ان رجلاً جعل بعیراً له فی سبیل الله فامر رسول الله ﷺ ان یحمل علیه الحاج وابویوسف یقول الطاعات کلها فی سبیل الله ولکن عند اطلاق هذا اللفظ المقصود بهم الغزاة عند الناس (مبسوط ' جلد۳' ص ۱۲)

شافعی مسلک کی مستند ترین کتاب ''کتاب الام'' میں ہے:

ویعطی من سهم سبیل الله جل وعز من غزا من جیران الصدقة فقیراً کان او غنیا ولا یعطی منه غیرهم الا ان یحتاج ای الدفع عنهم فیعطاه من دفع عنهم المشرکین (کتاب الام' جلد۲' ص ٦۲)

حنبلی مسلک کے امام موفق الدین اور امام شمس الدین رحمہما اللہ ''المغنی'' میں رقم طراز ہیں:

ولا یجوز صرف الزکوٰۃ الی غیر من ذکر اللہ تعالی من بناء المسجد والقناطیر والسقایات واصلاح الطرقات وسد البثوق وتکفین الموتی والتوسعة علی الاضیاف واشباہ ذلک من القرب التی لم یذکرھا اللہ تعالی (المغنی' جلد۲' ص ۵۲۷)

مالکی مسلک کی اہم کتاب ''المدونۃ الکبریٰ'' میں ہے:

وقال مالک یعطی من الزکاۃ ابن سبیل وان کان غنیاً فی بلدہ اذا احتاج وانما مثل ذلک مثل الغازی فی سبیل اللہ یعطی منھا وان کان غنیاً ...... وقال مالک بن انس لا یجزئہ ان یعطی من زکاتہ فی کفن میت لان الصدقة انما ھی الفقراء والمساکین ومن سمی اللہ ولیس للاموات ولا لبنیان المساجد شیء (المدونۃ الکبریٰ' جلد ۱' ص ۲۹۹)

تو ائمۂ اربعہ کی تصریحات کی رو سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ زکوٰۃ کا مصرف ہر کارِ خیر نہیں ہے۔ نیز اگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات وعبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا عام طور پر اس میں داخل ہوتا تو پھر قرآن مجید میں ان آٹھ مصارف کو الگ الگ بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوتی! جبکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مصارفِ صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو بھی سپرد نہیں کیا بلکہ خود ہی آٹھ مصارف متعین فرما دیے۔ تو اگر ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہوتیں اور ان میں سے ہر قسم کی نیکی کے کام میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے کی اجازت ہوتی تو نبی کریم ﷺ کی حدیث کا بالکل غلط ہونا لازم آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''فی سبیل اللہ'' کے لغوی ترجمہ سے جو عام طور پر عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں بلکہ مراد وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کے بیان' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تصریحات اور فقہاءِ اُمت کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے۔ علاوہ ازیں فقہاءِ کرام کی ان تصریحات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط ہے۔

جیسا کہ روح البیان میں ہے:

فالعدول عن الام للدلالة علی ان استحقاق الاربعة الاخیر لیس لذواتھم ای لکونھم مکاتبا ومدیوناً ومجاھداً ومسافراً حتی یتصرفوا

© rasailojaraid.com

فی الصدقة کیف شاوا کالاربعة الاول بل لجهة استحقاقهم کفك الرقبة من الرق وتخلیص الذمة من مطالبة من له الحق والاحتیاج الی ما لیتمکن به من الجهاد وقطع المسافة ووجه الدلالة ان فی قد تستعمل بیان السبب کما یقال عذب فلان فی سرقة لقمة ای سببها۔

(روح البیان' جلد۳' ص ٤٥٣)

اور ''الصاوی'' میں ہے:

قال الصاوی انما اضیف الصدقات ای الاصناف الاربعة الاول بالام...... اشارة ان الاربعة الاول یملکونها ویتصرفون فیها کیف شاوا۔ (الصاوی' جلد۳' ص ۸۱۲)

یہی وجہ ہے کہ ائمۂ اربعہ اور جمہور فقہاءِ ملت اس بات پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم کو مساجد' مدارس' شفاخانے یا یتیم خانے کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ مزید برآں قرآن کریم میں جابجا ''ایتاء الزکوٰۃ'' کا حکم مذکور ہے اور ایتاء کے معنی لغۃً وشرعاً اعطاء کے ہیں اور اعطاء کا معنی یہ ہے کہ کسی شے کو اپنی ملک سے نکال کر کسی کو اس طرح عطا کر دینا کہ وہ اس کا مالک ومختار بن جائے' یعنی لینے والا اس پر قابض بھی ہو جائے کہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کر سکے اور یہی معنی تملیک کا ہے۔ نیز عقلاً بھی صدقہ' ہبہ یا عطیہ بغیر تملیک کے محال ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو اپنے گھر دعوت دے اور نعمت کا دسترخوان اس کے سامنے بچھا دے تو یہ اباحت وضیافت کہلائے گا تملیک نہیں کہلائے گی۔ اس لیے کہ دعوت وضیافت کے معنی محض اجازت کے ہیں کہ جتنا چاہے تناول فرمائے' مگر یہ تملیک نہیں' اس لیے کہ مہمان کو اس میں تصرف کا اختیار نہیں کہ جس کو چاہے دسترخوان سے کھانا اٹھا کر ہبہ کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ محض دعوت وضیافت سے بالاجماع زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ لیکن اگر کھانا پکا کر کسی شخص کو دے دیا جائے بایں طور کہ وہ کھانے کو اپنے گھر لے جائے اور جس کو چاہے جتنا چاہے کھلائے تو یہ تملیک ہے۔ چنانچہ احناف کے نزدیک ادائے زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ مستحق کو تملیکاً دے دی جائے۔ جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے:

ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة

(فتاویٰ شامی' جلد۳' ص ٣٤٤)

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

فهي تمليك مال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن الملك من كل وجه (فتاویٰ عالمگیری' جلد۱' ص ۱۷۰)

البتہ شدید ضرورت کے وقت زکوٰۃ میں حیلۂ تملیک کے بعد زکوٰۃ کی رقم دینے کی گنجائش ہے۔ نیز مسئلۂ تملیک کے ضمن میں انجمن والوں کا یہ خیال کہ ''لِلْفُقَرَاء'' میں ''لام'' تملیک کے لیے نہیں' یہ بات صحیح نہیں' کیونکہ یہ رائے اکثر مفسرین کے خلاف ہے۔ بہت ساری تفاسیر میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ یہاں ''لام'' تملیک کے لیے ہے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے:

انه تعالى اثبت هذه الصدقات بلام التمليك للاصناف الثمانية

(تفسیر کبیر' جلد۱۵' ص ۱۱۳)

الجامع لاحکام القرآن میں امام شافعیؒ کا قول منقول ہے:

وقال الشافعي :اللام لام التمليك

(الجامع الاحکام القرآن' جلد۸ 'ص ۱۰۷)

امام ابوبکر احمد بن علی الجصاصؒ فرماتے ہیں:

ومعلوم ان الله تعالى انما امر بدفع الزكوٰة الى الفقراء لينتفعوا بها ويتملكوها (احکام القرآن للجصاص' جلد۳' ص ۱۳۸)

تفسیر بیضاوی کے حاشیہ ''محی الدین شیخ زادہ'' میں ''فی الرقاب'' کی تفسیر کے ضمن میں مرقوم ہے:

ولو لم يوت بكلمة "في" وكان "الرقاب" مجروراً بالعطف على ما هو مجرور بلام التمليك لكان المعنى ...... الخ

(محی الدین شیخ زادہ' جلد۴' ص ۴۷۸)

امام علاء الدین علی البغدادی ''تفسیر الخازن'' میں فرماتے ہیں:

انه سبحانه وتعالى اثبت الصدقات للاصناف الاربعة المتقدمة بلام الملك (تفسیر الخازن' جلد۲' ص ۲۳۶)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی تفاسیر میں لامِ تملیک کی صراحت موجود ہے۔ لہٰذا مذکورہ انجمن والوں کا یہ کہنا کہ یہاں ''ل'' تملیکِ ذاتی کے لیے نہیں بلکہ اگر اسلامی حکومت یا اس کی عدم موجودگی میں کوئی ادارہ زکوٰۃ وصول کر لے تو بھی تملیک کی شرط پوری ہو جاتی ہے' یہ بات صحیح

© rasailojaraid.com

نہیں' کیونکہ حکومت یا اداروں کی جانب سے زکوٰۃ کی وصولی کے بعد حکومت کے لیے اس رقم کو مستحقین تک پہنچانا ضروری ہوتا ہے اور جب تک زکوٰۃ کی رقم مستحقین تک پہنچا کر ان کی ملکیت میں نہ دے دی جائے اُس وقت تک زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوتی۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط ہے۔ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد جہاد فی سبیل اللہ یا حج بیت اللہ ہے۔ حیلۂ تملیک کے بغیر زکوٰۃ کی رقم کو ان آٹھ معینہ مصارف کے علاوہ دیگر امورِ خیر میں لگانا جائز نہیں۔ اس مقام پر ''لام'' تملیکِ ذاتی کے لیے ہی استعمال ہوا ہے۔ باقی ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی رائے جمہور فقہاءِ اُمت کے خلاف ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں ہے۔ علاوہ ازیں منسلکہ رسالہ کی تمام تر تحریر میں کوئی معتبر حوالہ پیش نہیں کیا گیا اس لیے بلا حوالہ باتوں کا اعتبار ہی نہیں۔ ایسے ادارے یا انجمن کو جان بوجھ کر زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ ہاں جو حضرات مستحق سمجھ کر دے چکے ہیں ان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی ہے اور جن لوگوں نے جان بوجھ کر زکوٰۃ دی ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی' دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے۔ عوام پر لازم ہے کہ ایسے نظریات و افکار رکھنے والے اداروں یا انجمنوں یا شخصیات کی مدد نہ کریں۔ البتہ صدقات و خیرات کے ذریعے اُمورِ خیر میں تعاون کر کے اپنی عاقبت کو سنوارا جا سکتا ہے۔ فقط

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ

سید فیصل ندیم عفی عنہ

متخصص فی الفقہ الاسلامی

دارالافتاء' جامعۃ العلوم الاسلامیہ' علامہ بنوری ٹاؤن' کراچی

۱۷ / ربیع الاول ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰ مئی ۲۰۰۳ء

الجواب صحیح

محمد عبدالمجید دین پوری' نائب رئیس دارالافتاء

جامعۃ العلوم الاسلامیہ' علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

الجواب صحیح

محمد انعام الحق

تیسرا جواب:

''فی سبیل اللہ'' و ''ابن السبیل'' کے مصداق کی تحقیق

(ا: زکوٰۃ کے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق جمہور علماء کے نزدیک جہاد ہی ہے' اگرچہ امام محمدؒ کے نزدیک حج ہے' اور ایک قول امام احمدؒ کا بھی یہی ہے' لیکن امام احمد کا صحیح قول وہی ہے جو جمہور علماء کا ہے' بہرحال جمہور علماء کے نزدیک ''فی سبیل اللہ'' سے مراد ''جہاد'' ہے' حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

(۱) فی الدر المختار :وفی سبیل الله وهو منقطع الغزاة وقیل :الحاج (۳:۲۸۹)

(۲) وفی الهدایة مع الفتح : وفی سبیل الله منقطع الغزاة عند ابی یوسف رحمه الله لانه هو المتافهم عند الاطلاق وعند محمد رحمه الله منقطع الحاج (۲:۲۰۵)

(۳) وفی الشرح الصغیر (کتاب فی الفقه المالکی) : ومجاهد کذالك ای حر مسلم غیر هاشمی (۱:۲۶۲)

(٤) وفی حاشیة الدسوقی(کتاب فی الفقه المالکی) : ومجاهد ای المتلبس به ان کان مما یجب علیه (۱:٤۹۷)

(٥) وفی روضة الطالبین (کتاب فی الفقه الشافعی) :الصنف السابع :فی سبیل الله وهم الغزاة الذین لا رزق لهم فی الفیء (۲:۳۲۱)

(٦) وفی الانصاف (کتاب فی الفقه الحنبلی) : قوله : السابع فی سبیل الله وهم الغزاة الذین لا دیوان لهم فلهم الاخذ منها بلا نزاع (۳:۲۳٥)

(۷) کذا فی کتاب الفروع (۲:٦۲۱)

(۸) وفی فقه الزکوة : قال ابن قدامة :وهذا اصح لان سبیل الله عند الاطلاق انما ینصرف الی الجهاد فان کل ما فی القرآن من ذکر سبیل الله انما ارید به الجهاد الا الیسیر (۲:٦٤۲)

البتہ اختلاف اس بارے میں ہے کہ اس ''مد'' میں فقر و تملیک کا ہونا ضروری ہے یا نہیں' یعنی اس مدّ میں ادائیگی زکوٰۃ کے لیے کیا شرعاً یہ ضروری ہے کہ غازی فقیر ہو' اور کیا غازی کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے یا نہیں؟ چنانچہ مذاہب اربعہ میں سے ادائیگی زکوٰۃ کے

© rasailojaraid.com

لیے صرف حضرات حنفیہ کے ہاں اس مدّ میں زکوٰۃ اس وقت ادا ہوگی جبکہ مجاہد فقیر ہو اور اس کو زکوٰۃ کی رقم یا اس سے خریدی ہوئی چیز کا اس کو مالک بنایا جائے۔ اگر ان دونوں شرطوں میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو' مثلاً مجاہد غنی ہو یا زکوٰۃ کی رقم سے اسلحہ وغیرہ خریدا گیا اور مجاہدین کی ملکیت میں دینے کے بجائے اس کو مقصد جہاد کے لیے محفوظ رکھا جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی' جبکہ حضراتِ مالکیہ' شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں اس مدّ میں ادائیگیٔ زکوٰۃ کے لیے یہ دونوں شرطیں ضروری نہیں' ان کے ہاں نہ فقر شرط ہے اور نہ تملیک۔ ان کے ہاں غنی مجاہد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے' نیز زکوٰۃ کی رقم سے آلاتِ جہاد خرید کر ان کے جہاد کے لیے وقف کرنا بھی درست ہے' کہ بوقت ضرورت مجاہدین یہ آلات استعمال کریں' اور ضرورت پوری ہونے کے بعد ان کو واپس کریں..... البتہ حنابلہ کے یہاں اس میں یہ تفصیل ہے کہ ربّ المال (مزکی) خود زکوٰۃ کی رقم سے آلات وغیرہ خرید کر کسی مجاہد کو نہیں دے سکتا' اور نہ ہی ان آلات کو وقف کر سکتا ہے' البتہ اگر یہ رقم امام کو دی جائے' تو امام کو اختیار ہے چاہے تو رقم مجاہد کو دے دے' اور چاہے تو اس سے آلاتِ جہاد خرید کردہ آلات مجاہد کو تملیکاً دے دے' یا ان کو جہاد کے لیے وقف کر دے۔

عربی عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱) **فی الشامیة : والخلف لفظی للاتفاق علی ان الاصناف کلهم سوی العامل یعطون بشرط الفقر** (۳:۲۹۰)

(۲) **وفی الهدایة مع الفتح : ولا یصرف اِلی اغنیاء الغزاة عندنا لان المصرف هو الفقراء** (۲:۲۰۵)

(۳) **وفی فتح القدیر : ثم لا یشکل ان الخلاف فیه لا یوجب خلافا فی الحکم للاتفاق علی انه انما یعطی الاصناف کلهم سوی العامل بشرط الفقر فمنقطع الحج یعطی اتفاقا** (۲:۲۰۵)

(٤) **وفی تبیین الحقائق : ولا یصرف الی غنیهم** (۱:۲۹۸)

(٥) **وفی ملتقی الا بحر مع المجمع : ومنقطع الغزاة عند ابی یوسف والحج عند محمد ان کان فقیرا ومن له مال فی وطنه لا معه** (۱:۳۲٦)

(٦) **وفی الشرح الصغیر** (وھو کتاب معروف فی الفقه المالکی) : **ومجاهد**

کذلك ای حر مسلم غیر هاشمی و آله بان یشتری منها سلاح او خیل لیغازی علیها والنفقة علیها من بیت المال فیعطی المجاهد منها ویدخل فیه الجاسوس والمرابط ولو کان غنیا (۱:۶۶۳)

(۷) وفی حاشیة الدسوقی (کتاب فی الفقه المالکی) : وآلته کسیف ورمح تشتری منها ولو کان المجاهد غنیا حین غزوة (قوله : وآلته) لا یشترط فیها ان یکون المقاتل بها غیر هاشمی لانها تبقی للجهاد ولا یأخذها (۱:۴۹۷)

(۸) وفی شرح الزرقانی (کتاب فی الفقه المالکی) :ویشتری له بها کلها آلته ولو غنیا کجاسوس (۲:۱۷۹)

(۹) کذا فی شرح منح الجلیل (کتاب فی الفقه المالکی) : (۱:۳۷۵)

(۱۰) وفیه : لا تصرف الزکاۃ فی بناء او ترمیم سور ای بناء حول البلد یمنع العدو من دخولها ولا فی عمل مرکب ای سفینة یقاتل بها العدو فی البحر هذا قول ابن بشیر وقال ابن عبد الحکم :یعمل الاسوار والمراکب منها واقتصر علیه اللخمی واستظهره فی التوضیح ابن عبد السلام هو الصحیح المواق لم ار المنع لغیر ابن بشیر فضلا عن تشهیره (۱:۳۷۵)

(۱۱) وفی روضة الطالبین (کتاب فی الفقه الشافعی) للامام الخیار ان شاء دفع الفرس والسلاح الی الغازی تملیکا، وان شاء استأجر له مرکوبا وان شاء اشتری خیلا من هذا السهم ووقفها فی سبیل الله تعالی فیعیرها ایاها وقت الحاجة، فاذا انقضت استرد (۲:۳۲۷)

۱۲) وفی المجموع شرح المهذب (کتاب فی الفقه الشافعی): ویعطی الغازی مع الفقر والغنی للحدیث السابق ولان فیه مصلحة للمسلمین ...... ویعطی ما یشتری به الفرس ان کان یقاتل فارسا وما یشتری به السلاح وآلات القتال ویصیر ذلك ملکا للغازی ویجوز ان یستاجر له الفرس والسلاح من مال الزکوۃ (الی قوله) قال الخراسیون : الامام بالخیار ان شاء سلم الفرس والسلاح والآلات الی الغازی او ثمن ذلك تملیکا له فیملکه وان شاء استاجر ذلك له وان شاء اشتری من سهم سبیل الله سبحانه وتعالی افراسا وآلات

© rasailojaraid.com

الحرب وجعلها وقفا فی سبیل الله ویعطیهم عند الحاجة ما یحتاجون الیه ثم یردونه اذا انقضت حاجتهم (٦:٢١٣)

(١٣) وفی الانصاف (فی الفقه الحنبلی) : فائدة :لا یجوز للمزکی ان یشتری له الدواب والسلاح ونحوهما علی الصحیح من المذهب' قال الزرکشی : هذا اشهر الروایتین فیجب ان یدفع الیه المال (٣:٢٣٥)

(١٤) وفی کتاب الفروع (فی الفقه الحنبلی): فیدفع الیهم کفایة غزوهم وعودهم ولو مع غناهم (٢:٦٢١)

(١٥) وفی المغنی (فی الفقه الحنبلی) : وقد روی ابوداود باسناده عن عطاء بن یسار عن النبی ﷺ انه قال : لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة لغاز فی سبیل الله (٢:٦٥٥)

(١٦) وفی مطالب اولی النهی (فی الفقه الحنبلی): وذکر فی غایة المنتهی وشرحه: انه یجوز للامام ان یشتری من مال الزکاة فرسا ویدفعها لمن یغزو علیها ولو کان الغازی صاحب الزکاة نفسه لانه بریئ منها بدفعها للامام کما یجوز له ان یشتری منها ایضاً سفنا ونحوها للجهاد (٢:١٤٧)

(١٧) وفی فقه الزکاة :وانفرد ابوحنیفة باشتراط الفقر فی المجاهد (٢:٦٤٤)

ب : ''ابن السبیل'' سے باتفاق ائمہ اربعہؒ مسافر مراد ہے' اور اس سلسلہ میں تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ جس جگہ مسافر ہو وہاں پر اس کے پاس مال نہ ہو' اگرچہ اپنے وطن میں وہ صاحبِ مال ہو' اگرچہ دیگر بعض شروط میں ان کے آپس میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ''فی سبیل اللہ'' میں صرف حضرات حنفیہؒ کے ہاں فقر کی شرط ہے' اور ''ابن السبیل'' میں حالت سفر میں فقر بالاتفاق شرط ہے اور وطن میں اس کا فقیر ہونا ضروری نہیں' اور ایک فرق یہ ہے کہ ''ابن السبیل'' کے لیے صرف بقدر حاجت زکوٰۃ لینا درست ہے' حاجت سے زیادہ لینا جائز نہیں' بخلاف عام فقیر کے۔

(١) فی الدر المختار : وابن السبیل وهو من له مال لا معه ' وفی الشامیة : هو المسافر سمی به للزومه الطریق زیلعی ...... وقال فی الفتح ایضاً : ولا یحل له ای لابن السبیل ان یاخذ اکثر من حاجته ...... قلت : وهذا بخلاف الفقیر فانه

يحل له ان ياخذ اكثر من حاجته وبهذا فارق ابن السبيل (٢٦٣:٣)

(٢) وفى الشامية :قوله : لا يملك نصاباً ، قيد به لان الفقر شرط فى الاصناف كلها الا العامل وابن السبيل اذا كان له مال فى وطنه بمنزلة الفقير (٣٦١:٣)

(٣) وفى الهندية :ومنها ابن السبيل وهو الغريب المنقطع عن ماله كذا فى البدائع جاز الاخذ من الزكاة قدر حاجته ولم يحل له ان ياخذ اكثر من حاجته (١٨٨:١)

(٤) وفى الشرح الصغير :وابن سبيل وهو الغريب كذلك اى حر مسلم غير هاشمى وهو محتاج لما يوصله لوطنه اذا سافر من وطنه (٦٦٣:١)

(٥) وفى الانصاف :قوله :الثامن ابن السبيل : وهو المسافر المنقطع به هذا المذهب وعليه الاصحاب (٢٣٦:٣)

(٦) وفى روضة الطالبين : ابن السبيل: وهو شخصان، احدهما من انشأ سفرة من بلده او من بلد كان مقيما به والثانى الغريب المجتاز بالبلد فالاول يعطى قطعا وكذا الثانى على المذهب..... ويشترط ان لا يكون معه ما يحتاج اليه فى سفره فيعطى ، من لا مال له اصلاً ، كذا من له مال فى غير البلد المنتقل اليه منه (٣٢١:٢)

(٧) وفى فقه الزكوٰة : اولها (الشروط) ان يكون محتاجا فى ذلك الموضع الذى هو به الى ان يوصله الى وطنه فان كان عنده ما يوصله فلا يعطى (٦٧٨:٢)

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

عصمت اللہ عصمہ اللہ

دارالافتاءدارالعلوم کراچی

٩-٥-١٤٢٢ھ

الجواب صحیح

☆احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

☆مفتی محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

☆مفتی عبدالرؤف دارالافتاء دارالعلوم کراچی

© rasailojaraid.c

اس فتویٰ کی عربی عبارات کے تراجم بالترتیب درج ذیل ہیں:

(۱) ''(فقہ حنفی کی معروف کتاب) ''در مختار'' میں ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد غازی ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد حاجی ہیں۔''

(۲) ''(فقہ حنفی کی معروف کتاب) ''ہدایہ'' میں ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد امام ابو یوسف کے نزدیک غازی ہیں' کیونکہ آیت کے اطلاق سے یہی بات سمجھ آ رہی ہے' جبکہ امام محمد کے نزدیک ''فی سبیل اللہ'' سے مراد حاجی ہیں۔''

(۳) ''(فقہ مالکی کی معروف کتاب) ''شرح الصغیر'' میں ہے کہ اسی طرح ایسا مجاہد بھی زکوٰۃ کے مصارف میں شامل ہے جو کہ آزاد مسلمان اور غیر ہاشمی ہو۔''

(٤) ''(فقہ مالکی کی کتاب) ''حاشیہ الدسوقی'' میں ہے کہ مجاہد بھی زکوٰۃ کے مصارف میں شامل ہے۔''

(٥) ''(فقہ شافعی کی کتاب) ''روضۃ الطالبین'' میں ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف کی ساتویں قسم ''فی سبیل اللہ'' ہے اور اس سے مراد وہ غازی ہیں کہ جن کا مالِ فَے میں کوئی حصہ مقرر نہ کیا گیا ہو۔''

(٦) ''(فقہ حنبلی کی کتاب) ''الانصاف'' میں ہے: زکوٰۃ کے مصارف کی ساتویں قسم ''فی سبیل اللہ'' ہے' جس سے مراد وہ غازی ہیں جو باقاعدہ رجسٹرڈ نہ ہوں تو ان کے لیے زکوٰۃ سے لینا جائز ہے۔''

(٧) ''یہی فتویٰ ''کتاب الفروع'' میں بھی ہے (جو فقہ حنبلی کی ایک معروف کتاب ہے)۔''

(٨) ''ابن قدامہ نے ''فقہ الزکوٰۃ'' میں اس قول کو اصح کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں جب فی سبیل اللہ کا لفظ مطلق طور پر بیان ہو تو اس سے مراد جہاد ہوتی ہے سوائے چند ایک مقامات کے۔''

(۱) ''فتاویٰ شامیہ'' میں ہے: اس مسئلے میں اختلاف لفظی ہے' کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ عاملین زکوٰۃ کے علاوہ زکوٰۃ کے مصارف میں سے ہر مصرف کے لیے فقر کی شرط ضروری ہے۔''

(۲) ''ہدایہ میں ہے: ہمارے نزدیک یہ زکوٰۃ غنی مجاہدین پر خرچ نہ ہوگی بلکہ اس کا مصرف فقراء مجاہدین ہوں گے۔''

(۳) ''فتح القدیر'' میں ہے: پھر یہ اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ اس میں اختلاف سے حکم میں کوئی اختلاف پیدا ہوتا ہے' کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ عاملین زکوٰۃ کے علاوہ باقی تمام مصارف کے لیے فقراء کا ہونا شرط ہے۔ حاجی کے بارے میں بھی اتفاق ہے کہ اس کو بھی زکوٰۃ دی جائے گی۔''

(٤) ''تبیین الحقائق'' میں ہے کہ زکوٰۃ کا مال اغنیاء پر خرچ نہیں کیا جائے گا۔''

(٥) ''ملتقی الابحر' میں ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد امام ابو یوسف کے نزدیک غازی ہیں' جبکہ امام محمد کے نزدیک حج ہے' اگر وہ فقیر ہے' یا پھر وہ شخص مراد ہو سکتا ہے جس کے پاس اس کے وطن میں تو مال ہو لیکن فی الوقت موجود نہ ہو۔''

(٦) ''(فقہ مالکی کی معروف کتاب) ''شرح الصغیر'' میں ہے کہ مجاہد بھی مصارف زکوٰۃ میں شامل ہے جو کہ مسلمان آزاد اور غیر ہاشمی ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے آلات حرب یعنی اسلحہ یا گھوڑے خریدے جائیں تا کہ ان کو جنگ کے لیے استعمال کیا جائے۔ بیت المال سے اس مقصد کے لیے رقم خرچ کرنا جائز ہے۔ اس میں سے مجاہد کو بھی دیا جائے گا اور اس مد میں جاسوس اور پہرے دار بھی شامل ہیں چاہے وہ غنی ہی کیوں نہ ہوں۔''

(٧) ''(فقہ مالکی کی کتاب) ''حاشیہ الدسوقی'' میں ہے: مال زکوٰۃ کو دوران جنگ تلوار اور نیزے وغیرہ خریدنے

کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے' چاہے مجاہد غنی ہی کیوں نہ ہو۔ اور آلات حرب کے لیے مالِ زکوٰۃ کو استعمال کرنے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ غیر ہاشمی ہونے کی بھی شرط لگائی جائے' کیونکہ ہاشمی بھی اگر ہو تو وہ ان آلاتِ حرب سے نہ لے گا بلکہ یہ آلاتِ حرب جہاد کے لیے باقی رہیں گے۔''

(۸) ''(فقہ مالکی کی کتاب)''شرح زرقانی'' میں ہے: اور مالِ زکوٰۃ سے مجاہد کے لیے ہر قسم کے آلاتِ حرب خریدے جائیں گے چاہے مجاہد غنی ہی کیوں نہ ہو' مثلاً جاسوس وغیرہ۔''

(۹) ''(فقہ مالکی کی کتاب) ''شرح منح الجلیل'' میں بھی یہی فتویٰ ہے۔''

(۱۰) ''شرح منح الجلیل'' میں ہے کہ زکوٰۃ کو فصیل بنانے یا اس میں ترمیم کرنے یا شہر کے باہر کوئی ایسی دیوار بنانے کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا جس کے ذریعے دشمن کو شہر میں داخل ہونے سے روک دینا مقصود ہو۔ اور نہ ہی زکوٰۃ کو کسی سواری کے لیے استعمال کیا جائے گا' مثلاً کشتی جس کے ذریعے مجاہد سمندر میں دشمن سے جنگ کرتا ہے۔ یہ ابن بشیر کا قول ہے۔ ابن عبدالحکم کا قول ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے فصیل بھی بنائی جا سکتی ہے اور کشتیاں بھی۔ لخمی نے بھی اس قول پر اکتفا کیا ہے اور ابن عبدالسلام نے ''توضیح'' میں اسی کو راجح قرار دیا ہے اور یہی قول ''مواق'' کے مطابق صحیح ہے۔ میرے علم کی حد تک اس سے ابن بشر کے علاوہ کسی نے منع بھی نہیں کیا چہ جائیکہ کہ اس کو عام کرتا۔''

(۱۱) ''(فقہ شافعی کی کتاب)''روضۃ الطالبین'' میں ہے: امام کے پاس اختیار ہے چاہے تو گھوڑے اور اسلحہ غازی کو دے دے اور اس کو ان کا مالک بنا دے اور اگر چاہے تو اس کے لیے سواری اجرت پر لے لے' یا اگر چاہے تو اس رقم سے گھوڑے خرید کر فی سبیل اللہ وقف کر دے' اور ضرورت کے وقت ان کو ادھار بھی دے سکتا ہے اور جب حاجت ختم ہو جائے تو واپس لے لے۔''

(۱۲) ''(فقہ شافعی کی کتاب)''مجموع شرح مہذب'' میں ہے کہ غازی کو اس میں سے حصہ دیا جائے گا چاہے وہ غنی ہو یا فقیر' جیسا کہ پچھلی حدیث میں بیان ہوا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ اس میں عام مسلمانوں کی مصلحت بھی شامل ہے۔ یا غازی کو اتنی رقم دی جائے گی کہ وہ اس سے گھوڑا خرید سکے یا آلات قتال یا اسلحہ وغیرہ اور یہ غازی کی ملکیت بن جائے گی۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ زکوٰۃ کی اس رقم سے گھوڑا' اسلحہ وغیرہ غازی کے لیے اجرت پر لیا جائے۔ خراسیون نے کہا ہے کہ امام کو یہ اختیار حاصل ہے اگر چاہے تو گھوڑا اسلحہ اور آلاتِ حرب وقتال غازی کے حوالے کر دے یا اس کی قیمت کا اس کو مالک بنا دے یا اس کے لیے یہ چیزیں اجرت پر حاصل کرے' اور اگر چاہے تو فی سبیل اللہ کی مد سے گھوڑے اور آلات حرب خریدے اور ان کو اللہ کے راستے میں وقف کر دے اور ضرورت کے وقت غازیوں کو وہ چیزیں فراہم کرے جن کی ان کو ضرورت ہے اور جب ان کی ضرورت ختم ہو جائے تو وہ امام کو وہ چیزیں واپس کر دیں۔''

(۱۳) ''انصاف'' میں (فقہ حنبلی کا موقف) ہے کہ ربّ المال کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ جانور اور آلات وغیرہ خریدے اور یہی رائے صحیح ہے۔ امام زرکشی نے کہا ہے کہ اس بارے میں دو روایات ہیں جن میں سے مشہور یہ ہے' اس لیے ربّ المال کے لیے ضروری ہے کہ امام کو اپنی زکوٰۃ دے۔''

(۱۴) ''فقہ حنبلی کی ''کتاب الفروع'' میں ہے کہ امام غازیوں کو ان کی ضرورت و حالات کے مطابق مال زکوٰۃ سے دے گا چاہے وہ غنی ہی کیوں نہ ہوں۔''

© rasailojaraid.com

(۱۵) ''(فقہ حنبلی کی کتاب)''مغنی'' میں ہے کہ ابوداؤد نے عطاء بن یسار سے اور انہوں نے نبیﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''غنی کے لیے صدقہ جائز نہیں ہے مگر پانچ وجوہات سے' پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا ہو۔''

(۱۶) ''(فقہ حنبلی کی کتاب)''مطالب اولی النہی'' میں ہے اور اسی طرح غایۃ المنتہی اور اس کی شرح میں ہے کہ امام کے لیے جائز ہے کہ وہ مال زکوٰۃ سے گھوڑے خریدے اور غازیوں کے حوالے کر دے جو ان پر بیٹھ کر جنگ کریں چاہے وہ غازی صاحب نصاب ہی کیوں نہ ہو' کیونکہ امام نے یہ مال اسے دیا ہے اس لیے وہ غازی اب اس کے بارے میں بریٔ الذمہ ہے۔ اسی طرح امام کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ مال زکوٰۃ سے کشتیاں وغیرہ خریدے۔''

(۱۷) ''فقہ الزکوٰۃ'' میں ہے کہ مجاہد کے بارے میں فقیر ہونے کی شرط لگانے میں امام ابوحنیفہ منفرد ہیں۔

(۱) ''درمختار'' میں ہے: ابن سبیل سے مراد وہ ہے جس کے پاس کوئی مال نہ ہو۔ فتاویٰ شامیہ میں ہے کہ وہ مسافر ہے' اس کو ابن السبیل کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ راستے سے چمٹا رہتا ہے۔ امام زیلعی نے فتح الجید میں یہ بھی کہا ہے کہ ابن السبیل کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد مال زکوٰۃ میں سے لے...... میں یہ کہتا ہوں کہ یہ فقیر کے برعکس معاملہ ہے' کیونکہ فقیر کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد مال لے' یہی ابن السبیل اور فقیر میں فرق ہے۔''

(۲) ''شامیہ'' میں ہے کہ وہ نصاب کا مالک نہ ہو' کیونکہ عاملین زکوٰۃ کے علاوہ باقی تمام مصارف زکوٰۃ میں فقر شرط ہے۔ ابن السبیل اگرچہ اپنے وطن میں مال والا ہو لیکن اسے فقیر ہی شمار کیا جائے گا۔

(۳) ''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے: زکوٰۃ کے مصارف میں ابن السبیل بھی ہے اور اس سے مراد مسافر ہے جس کے پاس مال نہ ہو۔ اسی طرح بدائع الصنائع میں بھی ہے کہ ابن السبیل کے لیے اپنی ضرورت کے مطابق زکوٰۃ کے مال میں سے لینا جائز ہے اور اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد مال لے۔''

(۴) ''شرح الصغیر'' میں ہے کہ ابن السبیل سے مراد مسافر ہے یعنی آزاد مسلمان اور غیر ہاشمی ہو' کیونکہ مسافر کو اتنی رقم کی ضرورت ہوتی ہے' جس کے ذریعے وہ اپنے وطن واپس جا سکے۔''

(۵) ''انصاف'' میں ہے: (مصارف زکوٰۃ میں) آٹھویں قسم ابن السبیل ہے' اور اس سے مراد مسافر ہے یہی ہمارا مذہب ہے۔''

(۶) ''روضۃ الطالبین'' میں ہے کہ ابن السبیل دو شخص ہیں' ایک وہ کہ جس نے اپنے شہر سے یا اس شہر سے کہ جس میں وہ مقیم تھا' سفر کا آغاز کیا' اور دوسرا وہ مسافر جو کہ شہر سے گزرنے والا ہے۔ پہلے کو قطعی طور پر دیا جائے گا اور دوسرے کے بارے میں اہل مذہب کا یہی قول ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ مسافر کے پاس وہ مال نہ ہو کہ جس کا وہ اپنے سفر میں محتاج ہو۔ پس ایسے مسافر کو مال زکوٰۃ سے دیا جائے گا جس کے پاس اصلاً مال نہ ہو یا اسی طرح جس مسافر کے پاس اس شہر میں مال نہ ہو جس شہر کی طرف وہ منتقل ہوا ہے۔''

(۷) ''فقہ الزکوٰۃ'' میں ہے کہ اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اس جگہ میں محتاج کی حیثیت سے ہو اور اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جو اسے اس کے وطن پہنچا دے۔ اگر اس کے پاس اتنا مال ہو گا تو اسے مال زکوٰۃ میں کچھ بھی نہ دیا جائے گا۔''

.com
om